جلد ۷ — جولائی ۱۹۶۶ء — شمارہ ۷

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے — فی پرچہ ۶۰ پیسے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمُ

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان!

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

جولائی ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ ۶۰ پیسے

فہرست

طابع و ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ⁂ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ ⁂ مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی ربوہ ⁂

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۷	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	شمارہ ۷

جولائی ۱۹۶۶ء

حقیقی مومنوں کی ایک خاص علامت

بخل اور اسراف سے بہر طور کلّی اجتناب

حقیقی مومن کی قرآن مجید میں ایک مستقل صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لئے ہر دم تیار رہتا ہے اور پھر وہ یہ قربانی کسی ذاتی نفع کے لئے نہیں بلکہ محض رضائے الٰہی کی خاطر پوری بشاشت قلب اور انشراح صدر سے پیش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قربانی کے مواقع کی تلاش اور انتظار میں رہتا ہے۔ جب بھی کوئی موقع قربانی کا پیدا ہوتا ہے اس کی روح والہانہ انداز میں لبیک اللّٰھم لبیک پکار اٹھتی ہے۔ قربانیوں کے میدان میں نہ وہ تھکتا ہے اور نہ کبھی درماندہ ہوتا ہے بلکہ جذبۂ بے اختیار کے ماتحت آگے ہی آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے اور پھر بھی یہی سمجھتا ہے کہ 'حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں ایسے ہی مخلص اور ایثار پیشہ مومنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ	مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے اس
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا	میں کچھ شک نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات آیت ۱٦)

اپنی جان اور مال سے جہاد کیا۔ وہی اپنے دعوٰئ ایمان میں سچے ہیں۔

ایک اور مقام پر ایسے ہی ایثار پیشہ مومنوں کو مغفرت بلند درجات اور عزت والی روزی کی بشارت دیتے ہوئے فرماتا ہے :-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ
اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ
عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا وَّ
عَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ہ اَلَّذِیْنَ
یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰہُمْ
یُنْفِقُوْنَ ہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَمَغْفِرَۃٌ
وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ہ ر
(الانفال آیت ۳ تا ۵)

مومن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان اور بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں ہیں وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں درجے ہیں اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

اِن آیات سے اور اسی مضمون کی اور بہت سی آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی مومن وہی ہیں جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے بلکہ اسے سعادتِ عظمیٰ تصور کرتے ہوئے ہر قربانی بشاشت کے ساتھ بجالاتے ہیں۔

ہر چند کہ حقیقی مومن بننے کے لئے خدا تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لئے ہر آن تیار رہنا ضروری ہے تاہم دو برائیاں یا روحانی بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو ان میں سے ایک بیماری لاحق ہو جائے تو پھر اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کی اہمیت واضح فرمائی ہے وہاں ساتھ ہی ان دونوں برائیوں یا بیماریوں کی مضرت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس طرح ان سے بہر طور بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ دونوں برائیاں افراط اور تفریط کی دو واضح مثالوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور چونکہ یہ دو انتہاؤں پر دلالت کرتی ہیں اس لئے بیک وقت ان کا کسی ایک شخص کو لاحق ہونا ممکن نہیں ہے۔ ایک شخص ایک وقت میں ان میں سے ایک ہی برائی میں ملوث ہو سکتا ہے لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ اس قدر ضرر رساں ہے کہ وہ اکیلی ہی انسان کو قربانی و ایثار سے محروم کر کے اسے عند اللہ حقیقی مومنوں کے

زمرہ سے خارج کر دیتی ہے۔ ان میں سے ایک برائی ہے بخل جو تفریط کی بدترین مثال ہے اور دوسری برائی ہے اسراف جو افراط کی انتہائی افسوسناک شکل و صورت کی آئینہ دار ہے۔ ان میں سے اول الذکر برائی انسان کو مال کا انتہائی گرویدہ بنا کر قومی اور دینی ضرورتوں کا تو ذکر ہی کیا جائز نفسی ضرورتوں پر بھی اس مال کو خرچ کرنے نہیں دیتی۔ برخلاف اس کے موخرالذکر برائی انسان کو اس درجہ خود غرض بنا دیتی ہے کہ وہ اپنی جائز اور ناجائز ضرورتوں پر بلا دریغ خرچ کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ حلال اور حرام کی تمیز بھی اس کی نگاہ میں اٹھ جاتی ہے وہ اپنے اخراجات کو اس درجہ بڑھا لیتا ہے کہ اسے بھولے سے بھی خیال نہیں آتا کہ اس کے مال میں دوسروں کا بھی حصہ ہے اور یہ کہ قوم اور دین بھی اس میں حصہ دار ہیں۔ بخل اور اسراف دونوں صورتوں میں خدا کی راہ میں اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے مال خرچ کرنا ممکن نہیں رہتا نتیجۃً اس کی روحانیت تباہ ہو جاتی ہے اور عنداللہ وہ حقیقی مومنوں کے زمرہ میں سے خارج ہو جاتا ہے ان دونوں برائیوں کی انتہائی مضرت کے پیش نظر ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی مذمت کر کے ان کے انجام سے مسلمانوں کو نہایت زوردار الفاظ میں خبردار کیا ہے۔

چنانچہ بخل کی مضرت واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بخل کرنے والوں پر واضح کیا ہے کہ مال کو سینت سینت کر رکھنا اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا ہرگز ان کے لئے نفع مند ثابت نہ ہو گا بلکہ ان کے حق میں شر پر منتج ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ فرماتا ہے:-

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (آل عمران ۱۸۱)

اور جو لوگ اس مال کے دینے میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں وہ اپنے لئے اس کو ہرگز اچھا نہ سمجھیں۔ اچھا نہیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے جن مالوں میں وہ بخل سے کام لیتے ہیں قیامت کے دن یقیناً ان کا طوق بنایا جائے گا (اور ان کے گلوں میں ڈالا جائے گا) اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے

اسی طرح ایسے بخیل لوگوں کو جو نہ صرف خود خدا کی راہ میں اپنے اموال خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسوا کن عذاب کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ

جو (اپنے جمع کئے ہوئے مال پر) غرور کرنے والے اور اترانے والے ہوں۔ اللہ انہیں ہرگز پسند نہیں کرتا وہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝
(النساء آیت ۳۸)

کو بھی بخل کرنے کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اِن آیات اور اسی قسم کی اور بہت سی آیات میں اللہ تعالےٰ نے بخل کی مضرت اور بخیل کے برے انجام کو کھول کھول کے بیان کیا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ ایک مسلمان ظاہری ایمان کے باوجود بخل کی وجہ سے حقیقی مومنوں میں شامل کئے جانے کے قابل نہیں رہتا۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا ۔

ایک بندے کے دل میں بخل اور ایمان کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے (یعنی یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان بخیل بھی ہو اور حقیقی معنوں میں مومن بھی)

اسی سلسلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم مزید فرماتے ہیں :-

شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ

آدمی میں بڑی برائی یہی ہے کہ وہ بڑا بخیل اور بڑا ڈرپوک ہو۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خبردار کرتے ہوئے کہ بخیل کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا فرماتے ہیں :-

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِيْلٌ وَلَا مَنَّانٌ ۔

یعنی جنت میں تین قسم کے لوگ داخل نہیں ہوں گے اوّل مکار دوم بخیل سوم احسان جتانے والا۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فضول خرچی سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالےٰ نے فضول خرچی کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے اوّل اسراف دوم "تبذیر"۔ اسراف اس فضول خرچی کو کہتے ہیں کہ انسان اپنی جائز ضرورتوں پر حد سے زیادہ خرچ کرے۔ اور تبذیر سے مراد وہ فضول خرچی ہے جس میں حلال اور حرام کی تمیز ہی باقی نہ رہے یعنی نہ صرف یہ کہ انسان جائز ضرورتوں پر حد سے زائد خرچ کرے بلکہ جن باتوں سے اللہ تعالےٰ نے منع کیا ہے دلیری سے ان کا ارتکاب کرے اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی بجائے ممنوعات پر ضائع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ اوّل الذکر فضول خرچی کے ضمن میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے :-

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝
(الاعراف آیت ۳۲)

کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ وہ یعنی اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نیز مؤخر الذکر فضول خرچیوں یعنی تبذیر سے بہرطور بچنے کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تبذیر کی راہ اختیار کرنے والوں کو شیطانوں کا بھائی قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝
(بنی اسرائیل آیت ۲۸)

اور تبذیر (ممنوعات پر اموال کے ضیاع) کی راہ کسی رنگ میں بھی اختیار نہ کرو۔ تبذیر کے رنگ میں اسراف کرنے والے یقیناً شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکر گزار ہے۔

بخل اور اسراف دونوں سے علیحدہ علیحدہ آیات میں منع کرنے اور ان کے عبرتناک انجام سے خبردار کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ایک ہی آیت میں ان دونوں برائیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اور ان دونوں کے انجام سے خبردار کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے:-

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝
(بنی اسرائیل آیت ۳۰)

اور تو نہ (تو بخل سے) اپنے ہاتھ کو باندھ کر اپنی گردن میں ڈال لے اور نہ (اسراف و تبذیر میں پڑ کر) اسے بالکل کھول دے۔ ورنہ یا تو تو (بخل کی صورت میں) ملامت کا نشان بن کر یا (اسراف کی صورت میں) پچھتا کر بیٹھ جائے گا۔

چونکہ بخل اور اسراف دونوں صورتوں میں انسان حقیقی مومن نہیں رہتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن یعنی حقیقی مومنوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نہ تو بخل کا شکار ہوتے ہیں اور نہ اسراف کی بیماری میں ملوث ہو کر انفاق فی سبیل اللہ سے روگردانی اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝
(الفرقان آیت ۶۸)

اور وہ (یعنی عباد الرحمٰن اور بالفاظ دیگر حقیقی مومن) ایسے ہوتے ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی سے کام نہیں لیتے اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں حالتوں کے درمیان درمیان ہوتا ہے۔

الغرض بخل اور اسراف دو ایسی خطرناک روحانی بیماریاں ہیں جو انسان کی روحانیت کو کالعدم کر کے رکھ دیتی ہیں ان کے نتیجہ میں انسان خدا اور اس کے دین کی راہ میں جانی اور مالی قربانیاں پیش کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور یہ محرومی اسے اس قابل نہیں رہنے دیتی کہ وہ ایمان کے زبانی دعوے کے باوجود عند اللہ حقیقی مومن شمار ہو سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بیماریوں سے بہرطور بچنے اور اس طرح اپنی روحانی صحت کو برقرار رکھنے

کی پُرزور تلقین فرمائی ہے۔

فی زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے اپنے متبعین کو اپنی قوتِ قدسیہ کے ذریعہ بخل اور اسراف کی ہر دو بیماریوں سے کلی پاک کر دکھایا، یہاں تک کہ ان کی زندگیاں وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا کی حقیقی معنوں میں مصداق بن گئیں۔ انہوں نے اس روحانی شفایابی کے زیرِ اثر جان اور مال کی قربانیاں اس شان سے پیش کیں کہ تیرہ سو سال بعد دنیا میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات صحابہ رضی اللہ عنہم کی قربانیاں عملاً از سرِ نو زندہ ہو گئیں۔ دنیا ان میں دین کی غم خواری فدائیت و جاں نثاری اور ایثار و قربانی کو دیکھ کر عش عش کر اٹھی۔ آج بھی جبکہ جماعت احمدیہ کے قیام پر ۷۷ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جماعت احمدیہ کے افراد میں دین کی غم خواری، فدائیت و جاں نثاری اور ایثار و قربانی کا جذبہ اسی طرح موجزن ہے۔ اور یہ اسی بے مثال جذبہ کے عملی ظہور کا ہی نتیجہ ہے کہ آج دنیا کے کونہ کونہ میں جماعت احمدیہ کو خدمتِ اسلام کی وہ توفیق مل رہی ہے کہ جس سے تمام دوسری مسلمان جماعتیں اور تنظیمیں یکسر محروم ہیں۔

خدا تعالےٰ کے نام کی عظمت اور اس کے دین کی سربلندی کی خاطر بڑھ چڑھ کر جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے اور اپنے جذبۂ قربانی و ایثار کو ہر آن ترقی دے کر آگے ہی آگے قدم بڑھاتے ہیں ہمیں بفضلہ دوسروں کے بالمقابل جو خصوصی امتیاز حاصل ہے اسے برقرار رکھنا اور اسے درخشاں تر بنانا ہمارا فرضِ اولین ہے۔ یہ جبھی ممکن ہے کہ ہم اس امر کا خاص خیال رکھیں اور اس بارہ میں خاص احتیاط سے کام لیں کہ بخل اور اسراف کی روحانی بیماریاں کسی حال میں بھی ہمارے درمیان راہ نہ پا سکیں۔ اگر خدانخواستہ بخل یا اسراف کی طرف ہم ذرا بھی مائل ہوئے تو نہ صرف یہ کہ ہمارا یہ امتیاز قائم نہ رہے گا بلکہ خدا کی راہ میں جانی و مالی قربانیوں سے محروم ہو کر ہم عنداللہ حقیقی مومنوں میں شمار ہونے کے بھی قابل نہ رہیں گے عیاذاً باللہ

ان برائیوں سے بچنے کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ ہم نہ صرف وقفِ زندگی اور مالی قربانیوں کی مستقل تحریکوں میں حسبِ سابق بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے چلے جائیں بلکہ جانی اور مالی قربانیوں کے نئے نئے مواقع کی تلاش میں رہیں اور جب بھی کوئی ایسا موقعہ پیدا ہو تو بلا توقف اپنی جان اور اپنا مال پیش کر دیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص فضل کے ماتحت حال ہی میں ایسے دو نئے مواقع پیدا کر کے ہمارے لئے اپنے جذبۂ قربانی و ایثار کو فزوں سے فزوں تر کرنے کی ایک نئی راہ کھول دی ہے۔ وہ نئے مواقع خدائی منشاء کے بموجب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کی طرف سے عارضی وقف اور فضل عمر فاؤنڈیشن کی دو نئی تحریکوں کی شکل میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان تحریکوں میں اس طور سے حصہ لیں کہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے تمام سابقہ ریکارڈ مات ہو جائیں۔

کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اللہ تعالیٰ زبانی اقوال کو پسند نہیں کرتا

عملی طور پر ثابت کرو کہ تم خدا کیلئے تکلیف برداشت کر سکتے ہو

خدا تو صحابہؓ کے نمونہ پر اس جماعت کو قائم کرنا چاہتا ہے

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض بیان کرتے ہوئے داخلین سلسلہ بیعت کو خدا کے لئے تلخ زندگی گوارا کرنے، ہر تکلیف برداشت کرنے اور اس طرح اپنے عمل سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونہ کو از سرِ نو دنیا میں قائم کرنے کی پُر زور تلقین فرمائی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک کا بھی نام نہیں لے سکتے جس نے اپنے لئے کچھ حصہ دین کا اور کچھ حصہ دنیا کا رکھا ہو اور ایک صحابی بھی ایسا نہیں تھا جس نے کچھ دین کی تصدیق کر لی ہو اور کچھ دنیا کی بلکہ وہ سب کے سب منقطعین تھے اور سب کے سب اللہ کی راہ میں جان دینے کو تیار تھے۔ اگر چند آدمی ہماری جماعت میں سے بھی تیار ہوں جو مسائل سے واقف ہوں اور ان کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ فارغ بھی ہوں تو ان کو باہر تبلیغ کے لئے بھیجا جاوے۔ بہت علم کی حاجت نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سب امّی ہی تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواری بھی امّی تھے۔ تقوےٰ اور طہارت چاہیئے۔ سچائی کی راہ ایک ایسی راہ ہے جو اللہ تعالےٰ خود ہی عجیب عجیب باتیں سمجھا دیتا ہے۔

لوگ جو اپنے لڑکوں کو تعلیم دینے کے لئے یہاں کے سکول میں بھیجتے ہیں اگرچہ وہ اچھا کرتے ہیں اور یہ اچھا کام ہے مگر وہ محض للہ نہیں بھیجتے کیونکہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ جو سرکاری تعلیم اور جماعت بندی اور دوسرے قواعد دیگر سکولوں میں ہیں وہی یہاں بھی ہیں۔ اور یہاں بھیجتے وقت دنیوی تعلیم کا خصوصیت سے خیال

کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو تعلیم دوسرے سکولوں میں ہے وہی یہاں ہے۔ مگر تاہم نیک نیتی کی بناء پر یہ سب عمدہ باتیں ہیں اور اس سے کچھ عمدہ نتیجہ ہی نکلنے کی توقع ہے اور یہاں کے سکول میں تعلیم پانے میں اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ دن رات نیکو کاروں اور صادقوں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے۔ عمدہ عمدہ باتوں اور ہماری تصانیف کے پڑھنے کا موقعہ بھی ملتا رہتا ہے، اور مولوی (نورالدین) صاحب کی عمدہ عمدہ باتوں اور نصیحتوں اور درس کے سننے سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور جب بچپن سے ہی ان طالب علموں کے کانوں میں صالح اور راستباز استادوں کی آواز پڑتی ہے تو اس سے وہ متاثر ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ دینداری کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں۔ غرض یہ بھی بات ہے کہ اس مدرسہ کی بناء فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر تین یا چار سو لڑکا تعلیم پاتا ہو تو اتنی امید ہے کہ تیس یا چالیس ہماری منشاء کے مطابق بھی نکل آویں گے۔ مگر جو بات ہم چاہتے ہیں وہ اس سے پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ خواہ کچھ ہی ہو یہ باتیں ملونی سے خالی نہیں۔ ہمارا مطلب اس بات کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس نمونہ پر اس جماعت کو قائم کرنا چاہتا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نمونہ ہے۔ ہم تو منہاج نبوت کے طریقہ پر ترقیات دیکھنی چاہتے ہیں۔ موجودہ کارروائی کو خالص کارروائی نہیں کہہ سکتے۔ ہزار ہا مرتبہ اسے ترقی کی جائے اصل میں جیسا کہ میں نے کہا تھا ابھی تو پانی کے ساتھ پیشاب کی ملونی ہے۔

غرض اس قسم کی تعلیم ہماری ترقیات کے لئے کافی نہیں۔ ہمارے سلسلہ کو تو صرف اخلاص، صدق، اور تقویٰ جلد ترقی دے سکتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ؓ ایک لاکھ سے متجاوز تھے۔ میرا ایمان ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی ملونی والا ایمان نہ تھا۔ ایک بھی ان میں سے ایسا نہ تھا جو کچھ دین کے لئے ہو اور کچھ دنیا کے لئے بلکہ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لئے تیار تھے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فمنھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر۔ جو لوگ ملونی والے ہوتے ہیں ان کو خدا تعالیٰ نے منافق کہا ہے۔ بیعت کرنے والوں کو خوش نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ منافق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ ملونی کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق تھے اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے تو بڑے بزرگ اور مومن سمجھے جاتے کیونکہ شر جب بہت بڑھ جاتا ہے تو اس وقت تھوڑی سی نیکی کی بھی بڑی قدر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو منافق کہا گیا ہے اصل میں وہ بڑے بڑے صحابہ ؓ کے مقابل پر منافق تھے۔ یاد رکھو جس شخص نے خدا تعالیٰ کے ساتھ کچھ حصہ شیطان کا ڈالا وہی منافق ہے۔

قرآن شریف میں ہماری جماعت کے متعلق لکھا ہے وآخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ؓ میں سے ایک اور گروہ بھی ہے مگر وہ ابھی ان سے ملے نہیں۔ ان کے

اخلاق، عادات، صدق اور اخلاص صحابہؓ کی طرح ہوگا۔ میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ اب دیر کی جاوے۔ چاہیے کہ ایسے آدمی منتخب ہوں جو تلخ زندگی گزارنے کے لئے تیار ہوں اور ان کو باہر متفرق جگہوں میں بھیجا جاوے۔ بشرطیکہ ان کی اخلاقی حالت اچھی ہو، تقوے اور طہارت میں نمونہ بننے کے لائق ہوں، مستقل، راست قدم اور بردبار ہوں، اور ساتھ ہی قانع بھی ہوں، اور ہماری باتوں کو فصاحت سے بیان کرسکتے ہوں، مسائل سے واقف اور متقی ہوں، کیونکہ متقی میں ایک قوت جذب ہوتی ہے، وہ آپ جاذب ہوتا ہے، وہ اکیلا رہتا ہی نہیں۔ جس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اس نے پہلے ازل سے ہی ایسے آدمی رکھے ہیں جو بکلی صحابہؓ کے رنگ میں رنگین اور انہی کے نمونہ پر چلنے والے ہوں گے اور خدا تعالےٰ کی راہ میں ہر طرح کے مصائب کو برداشت کرنے والے ہوں گے اور جو اس راہ میں مر جائیں گے وہ شہادت کا درجہ پائیں گے۔

اللہ تعالےٰ نرے اقوال کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا لفظ ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے ایک بکرا ذبح کیا جاتا ہے ویسے ہی انسان خدا تعالےٰ کی راہ میں جان دینے کے لئے تیار رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم آئی اور کہنے لگی ہمیں فرصت کم ہے نمازیں معاف کی جائیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دین ہی نہیں جس میں نمازیں نہیں۔ جب تک عملی طور پر ثابت نہ ہو کہ خدا تعالےٰ کے لئے تکلیف گوارا کرسکتے ہو۔ تب تک نرے اقوال سے کچھ نہیں بنتا۔ نصاریٰ نے بھی جب عملی حالت سے لاپرواہی کی تو پھر ان کو دیکھو کیسی حالت ہوئی کہ کفارہ جیسا مسئلہ بنا لیا گیا۔ آدمی اگر صدق دل سے محض خدا تعالےٰ کے لئے قدم اٹھائے تو میرا ایمان ہے کہ پھر بہت برکت ہوگی۔ میں تو جانتا ہوں وہ اولیاء اللہ میں داخل ہو جائے گا۔ یاد رکھو ایک قدم سے ہی انسان ولی بن جاتا ہے۔ جب غیر اللہ کی شراکت نکال لی۔ بس عباد الرحمٰن میں داخل ہوگیا۔ جب اس کے دل میں محض خدا ہی خدا ہے اور کچھ نہیں تو پھر ایسے کو ہی ہم ولی کہتے ہیں۔ دیکھو صادق کے واسطے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اس میں ایک کشش ہوتی ہے وہ خالی جاتا ہی نہیں۔ دنیا کی زندگی کا آرام ہو، ہر طرح سے آسودگی اور عیش و عشرت کے سامان ہوں، یہ ایمانی اصول کے مخالف پڑا ہوا ہے۔ ایمانی اصول تو چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کا نہ دن نہ رات کوئی وقت آرام سے گزرتا ہی نہیں۔ ایک مرحلہ اگر مصائب کا طے کرتے ہیں تو دوسرا مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔ کاش اگر صحابہؓ کی طرح کے لوگ بعد میں آتے تو ایک بھی کافر نہ رہتا۔ مگر وہ دل نہ ہوئے جو ان کے تھے، وہ اخلاص اور صدق نہ ہوا جو ان کا تھا، وہ تقوے اور استقلال نہ رہا جو ان کا تھا۔" (الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء بحوالہ ملفوظات جلد نہم صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۸)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

يَا طَالِبَ الرَّحْمٰنِ ذِي الْإِحْسَانِ

(اے خدائے ذوالاحسان کے طلب کرنے والے)

يَا طَالِبَ الرَّحْمٰنِ ذِي الْإِحْسَانِ　　　قُمْ وَالِهًا وَاطْلُبْهُ كَالظَّمْآنِ

اے خدائے ذوالاحسان کے طلب کرنے والے شیفتہ کی طرح اُٹھ اور پیاسے کی طرح اس کو ڈھونڈ

بَادِرْ إِلَيَّ سَأُخْبِرَنَّكَ مُشْفِقًا　　　عَنْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ الَّذِي أَصْبَانِي

میری طرف دوڑ کہ میں تجھے شفقت کی راہ سے خبر دوں گا اس منہ کی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچا

أَحْرِقْ قَرَاطِيسَ الْبَغَاوَةِ وَالْإِبَا　　　وَارْكَنْ إِلَى الْإِيقَانِ وَالْإِذْعَانِ

بغاوت اور سرکشی کے کاغذات جلادے۔ اور یقین اور اذعان کی طرف جھک جا

أُعْطِيتُ نُورًا مِنْ ذُكَاءِ مُهَيْمِنِي　　　لِأُنِيرَ وَجْهَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ

مجھے اپنے خدا کے آفتاب سے ایک نور ملا ہے تاکہ میں جنگلوں اور آبادیوں کو روشن کردوں

بَارَزْتُ لِلّٰهِ الْمُهَيْمِنِ غَيْرَةً　　　أَدْعُو عَدُوَّ الدِّينِ فِي الْمَيْدَانِ

میں اللہ تعالیٰ کے لئے غیرت کی راہ سے میدان میں نکلا ہوں اور دشمن دین کو میدان میں بلاتا ہوں

وَاللّٰهِ إِنِّي أَوَّلُ الشُّجْعَانِ　　　وَسَتَعْرِفَنَّ إِذَا الْتَقَى الْجَمْعَانِ

اور بخدا میں سب بہادروں سے پہلے ہوں اور عنقریب تجھے معلوم ہوگا جب دونوں لشکر ملیں گے

مَنْ كَانَ خَصْمِي كَانَ رَبِّي خَصْمَهُ　　　قَدْ بَارَزَ الْمَوْلٰى لِمَنْ بَارَانِي

جو شخص میرا دشمن ہو خدا تعالیٰ اس کا دشمن ہوگا خدا اس کے مقابلہ پر نکلا جس نے میرا مقابلہ کیا۔

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

قصّہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب

(بات ختم کر اور ہماری ایک قبول شدہ دعا دیکھ لے)

روئے دلبر از طلبگاراں نمے دارد حجاب — مے درخشد در خور و مے تابد اندر ماہتاب

دلبر کا چہرہ طالبوں سے پوشیدہ نہیں ہے — وہ سورج میں بھی چمکتا ہے اور چاند میں بھی

لیکن آں روئے حسیں از غافلاں ماند نہاں — عاشقے باید کہ بردارند از بہرش نقاب

لیکن وہ حسین چہرہ غافلوں سے پوشیدہ ہے — سچا عاشق چاہیئے تاکہ اس کی خاطر نقاب اٹھائی جائے

دامنِ پاکش ز نخوتہا نمے آید بدست — ہیچ راہے نیست غیر از عجز و درد و اضطراب

اس کا مقدس دامن تکبر سے ہاتھ نہیں آتا — اس کے لئے کوئی راہ سوائے عجز، درد اور بیقراری کے نہیں ہے

بس خطرناک است راہِ کوچۂ یارِ قدیم — جاں سلامت بایدت از خود رویہا سر بتاب

اس محبوبِ ازلی کا راستہ بہت خطرناک ہے — اگر تجھے جان کی سلامتی چاہیئے تو خودروی کو ترک کر دے

تا کلامش فہم و عقلِ ناسزایاں کم رسد — ہر کہ از خود گم شود او یابد آں راہِ صواب

نااہل لوگوں کی عقل اس کے کلام کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی — جو خودی کا تارک ہو اسی کو وہ صحیح راستہ ملتا ہے

ایکہ گوئی گر دعاہا را اثر بودے کجاست — سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب

اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ اگر دعاؤں میں اثر ہے تو دکھاؤ وہ کہاں ہے؟ — میری طرف دوڑ تاکہ میں تجھے سورج کی طرح وہ اثر دکھا دوں

ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق — قصہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب

خبردار خدا کی قدرتوں کے بھیدوں کا انکار نہ کر۔ — بات ختم کر اور ہماری ایک قبول شدہ دعا دیکھ لے

(برکات الدعا)

علم النفس کا ایک قرآنی نکتہ

(رقم فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ النور کی آیات ۱۵ تا ۲۱ کی (جن میں بُری باتوں کا عام تذکرہ کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے) تفسیر بیان کرتے ہوئے علم النفس کے ایک قرآنی نکتہ پر بہت دلنشین پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔ یہ نکتہ قوموں کی ترقی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ افادۂ احباب کی غرض سے تفسیر کا یہ حصہ ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے علم النفس کا ایک ایسا نکتہ بیان کیا ہے جو قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے کیونکہ علم النفس کی تحقیق پہلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی۔ یہ تحقیق انیسویں صدی میں شروع ہوئی اور اب بیسویں صدی میں اس نے ایک علم کی صورت اختیار کی ہے۔

وہ مسئلہ جو قرآن کریم نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ بُری باتوں کا مجلس میں ذکر نہیں کرنا چاہیئے ورنہ وہی بُرائیاں لوگوں میں کثرت کے ساتھ پھیل جائیں گی۔ بے شک دنیا میں لوگ کثرت سے ڈاکہ اور چوری وغیرہ بُرے افعال سے نفرت کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کا ذکر لوگوں میں کثرت سے ہونے لگے تو تھوڑے ہی دنوں میں تم دیکھو گے کہ ڈاکہ کی وارداتیں زیادہ ہونے لگ گئی ہیں جیسے گجرات، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ وغیرہ میں کئی بڑے بڑے شریف نمازی اور تہجد گزار کہلانے والے دوسرے کی بھینس کو کھول کر گھر لے آئیں گے اور اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں کریں گے کہ انہوں نے کوئی بُرا کام کیا ہے۔ میرے ایک دفعہ گھوڑے چوری ہو گئے تو ایک احمدی نے جو پہلے چوروں کے ساتھ مل کر چوریاں کیا کرتے تھے مجھے کہلا بھیجا کہ آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم سارے علاقہ کو ویران کر دیتے ہیں۔ میں نے پیغامبر کو جواب دیا کہ ان سے کہہ دینا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں توبہ کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اب یہی بہتر ہے کہ آپ اپنی توبہ پر قائم رہیں اور اس کو توڑنے کی کوشش نہ کریں اللہ تعالیٰ مجھے اور گھوڑے دے دیگا۔ غرض بعض علاقوں میں جانوروں کی چوری کی اتنی کثرت ہے کہ اسے اعلیٰ درجہ کا بہادری کا فن سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً گجرات کے علاقہ میں ہی بعض اقوام میں پہلے یہ رواج ہوا کرتا تھا گو غالباً اب نہیں کہ بیٹے کو پگڑی نہیں پہناتے تھے جب تک وہ ایک چوری کی بھینس، اپنی بہن کو لا کر نہ دیتا تھا۔ لڑکا جب جوان ہو جاتا اور پگڑی اس کے سر پر نہ ہوتی تو اپنے رشتہ دار اسے طعنے دیتے اور کہتے بے حیا اتنا بڑا ہو گیا۔

ہے مگر اب تک اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ ایک بھینس چرا کر اپنی بہن کو لا دے اور اپنے سر پر پگڑی بندھوائے اس طرح ہر نوجوان کو چوری پر مجبور کیا جاتا اور وہ بڑا ہو کر جانوروں کا چور بنتا۔

ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست جو اب مخلص احمدی ہیں، جب شروع شروع میں یہاں آئے تو ان کا ایک لڑکا ان کے ساتھ تھا جس کے سر پر پگڑی نہیں تھی۔ حضرت ام المومنینؓ نے گھر میں ان کی اہلیہ سے دریافت کیا کہ اس بچہ کے سر پر پگڑی کیوں نہیں۔ تو اس نے بتایا جب یہ کسی کی بھینس چرا کر اپنی بہن کو لا دے گا تب اس کے سر پر پگڑی باندھی جائے گی کیونکہ یہ ہمارے علاقہ کا دستور ہے۔ گو وہ دوست ہمیشہ یہ واقعہ سنکر شرمندہ ہوا کرتے تھے اور کہتے تھے یہ بات نہیں تھی، میرے گھر والوں نے صرف ہنسی سے ایسا ذکر کیا تھا۔ مگر بہر حال ان کے علاقہ میں یہ رواج تو تھا تبھی ان کی اہلیہ نے اس کا ذکر کیا۔۔۔۔

اب یہ رسم جوان علاقوں میں ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان اضلاع میں چونکہ ہر وقت جانوروں کی چوری کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے سارے علاقہ میں چوری کا رواج ہو گیا۔ یوں اگر وہ سنیں کہ کسی نے دوسرے کا روپیہ اٹھا لیا ہے تو وہ بھی برا مناتے ہیں۔ لیکن جانوروں کی چوری کے ذکر پر ان کے دلوں میں کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ذکر ان میں عام ہے۔ اور جس بدی کا ذکر عام ہو جائے وہ قوم کے افراد میں پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح پٹھانوں میں قتل کا رواج ہے اور وہ اسے کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہر وقت ان میں قتل کا چرچا رہتا ہے مشہور ہے کہ کسی پٹھان کا لڑکا ایک ہندو سے پڑھتا تھا۔ ایک دن استاد کسی بات پر ناراض ہوا تو لڑکے نے تلوار اٹھا لی اور چاہا کہ اسے قتل کر دے۔ وہ ہندو آگے آگے بھاگا اور لڑکا پیچھے پیچھے۔ وہ بھاگتا جا رہا تھا کہ راستہ میں اس لڑکے کا باپ مل گیا اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ باپ اسے روک لے گا کہا خان صاحب! دیکھئے آپ کا لڑکا مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اسے روکئے۔ اب خان صاحب بجائے اس کے کہ اپنے لڑکے کو روکتے۔ اس ہندو کو گالی دے کر کہنے لگے او بنئے کیا کر رہا ہے، میرے بیٹے کا یہ پہلا وار ہے خالی نہ جائے۔

غرض جب اشاعتِ فحش ہو اور بدی کا ذکر عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہو تو وہ بدی قوم میں پھیل جاتی ہے۔ اسی لئے ہماری شریعت نے عیوب کا عام تذکرہ ممنوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو اولی الامر ہیں ان تک بات پہنچا دو۔ اور خود خاموش رہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور ہر شخص کو یہ اجازت ہو کہ وہ دوسرے کا جو عیب بھی سنے اسے بیان کرتا پھرے۔ تو اس کے نتیجہ میں قلوب میں سے بدی کا احساس مٹ جاتا ہے اور برائی پر دلیری پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اسلام نے بدی کی اس جڑ کو مٹایا اور حکم دیا کہ تمہیں جب کوئی برائی معلوم ہو تو اولی الامر کے پاس معاملہ پہنچا دو جو سزا دینے کا بھی اختیار رکھتے ہیں اور تربیتِ نفوس اور اصلاحِ قلوب کے لئے اور تدابیر بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ اس طرح بدی کی تشہیر نہیں ہو گی، قوم کا کیریکٹر محفوظ رہے گا، اور

لوگوں کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔ پس یاد رکھو کہ نیکی کی تشہیر اور بدی کا اخفاء یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ قومیں اسی سے بنتی اور قومیں اس کی خلاف ورزی سے بگڑتی ہیں۔ جتنا تم اس بات کا زیادہ ذکر کرو گے۔ کہ فلاں اتنی قربانی کرتا ہے، فلاں اس طرح نمازیں پڑھتا ہے، فلاں اس اہتمام سے روزے رکھتا ہے۔ اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں دین کے لئے قربانی کرنے اور نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ اور جتنی تم اس بات کو شہرت دوگے کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، وہ خیانت کرتے ہیں، وہ چوری کرتے ہیں، وہ ظلم کرتے ہیں، اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں ان بدیوں کی طرف رغبت پیدا ہوگی۔ اسی لئے قرآن کریم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جب تم کسی کی نیکی دیکھو تو اسے خوب پھیلاؤ اور جب تم کسی کی بدی دیکھو تو اس پر پردہ ڈالو۔ ایک بلّی بھی جب پاخانہ کرتی ہے تو اس پر مٹی ڈال دیتی ہے، پھر انسان کے لئے کس قدر ضروری ہے کہ وہ بدی کی تشہیر نہ کرے بلکہ اس پر پردہ ڈالے اور اس کے ذکر سے اپنے آپ کو روکے۔ اگر اس ذکر سے اپنے آپ کو نہیں روکا جائے گا تو متعدی امراض کی طرح وہ بدی قوم کے دوسرے افراد میں بھی سرایت کر جائے گی اور خود اس کا خاندان تو لازماً اس میں مبتلا ہو جائے گا۔ کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو چیز کثرت سے اس کے سامنے آئے وہ اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے اور جس بات کے متعلق یہ عام چرچا ہو کہ لوگ اسے کثرت سے کرتے ہیں تو بالکل معمولی سمجھی جاتی ہے۔

اسی اصول کے ماتحت جو بات لوگوں میں عام طور پر پھیلائی جائے اس کا لوگوں پر یہ اثر پڑتا ہے کہ معمولی بات ہے۔ اور جب اس قسم کے الزام کثرت سے لگائے جائیں اور لوگ اس کے پھیلانے میں کسی کی عزت کی پرواہ نہ کریں تو لازماً وہ ان باتوں کو معمولی سمجھیں گے۔ تو ان کا ارتکاب بھی ان کے لئے معمولی بات ہوگی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ایسا کروگے اور اس قسم کی افواہوں کو نہیں روکوگے تو تمہاری قوم ان کو معمولی سمجھنے لگے گی اور جب معمولی سمجھے گی تو اس کا ارتکاب بھی کثرت سے کریگی، اس لئے ایسی باتوں کو پھیلنے ہی نہ دو۔ اسی نکتہ کی طرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے کہ

مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ

یعنی جس شخص نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہماری قوم تباہ ہوگئی وہ اپنی قوم کو تباہ کرنے والا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۲۷۴ تا ۲۷۷)

سلطان البیان کی معجز بیانی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی معرکۃ الآراء تقاریر پر ایک نظر

(محترم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا)

تقریر کے میدان میں حضور کا رفیع الشان مقام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تقریر کے میدان میں بہت بڑا مقام حاصل تھا۔ آپ کی تقریر میں وہ بہترین خصوصیات ہوتیں جو صرف اعلےٰ درجہ کے مصلحین میں پائی جاسکتی ہیں۔ علم کی شوکت، دلائل کی قوت زبان کی فصاحت، الفاظ کی موزونیت، طرزِ بیان کی لطافت، تاثیر کی شدّت اور روحانیت کی کیف آور جاذبیت، یہ ساری خوبیاں ایسے طور پہ جمع ہوتیں کہ سننے والا گھنٹوں جاری رہنے والی تقریر سے بھی تکان محسوس نہ کرتا اور اس سے لطف اندوز ہوتا۔ آپ خواہ پانچ گھنٹے بھی بولتے یوں معلوم ہوتا کہ سامعین کے سروں پہ پرندے بیٹھے ہیں اور کسی طرف سے ذرا بھر بھی حرکت نہ ہوتی اور آواز نہ اُٹھتی۔ آپ کی تقریر نے دلوں کو پکڑا ہوا اور ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کیا ہوا ہوتا مضمون خواہ کتنا مشکل ہوتا ایسے آسان طریقے سے بیان فرماتے کہ ہر معیار کا شخص اسے سمجھ سکتا اور اس سے لذت اٹھا سکتا۔

میں نے پہلی دفعہ آپ کی تقریر ۱۹۱۷ء کے جلسہ سالانہ میں سُنی جب میں لاہور میں تعلیم کے لئے آیا۔ اس تقریر اور اس روحانی ماحول کا ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد کبھی ایک مرتبہ بھی جلسہ سالانہ سے غیر حاضر نہ ہوا اور کبھی ایک منٹ کے لئے بھی آپ کی تقریروں کے دوران میں جلسہ گاہ سے نہ اٹھا حالانکہ یہ چالیس سال سے

بھی اوپر کا لمبا عرصہ بنتا ہے۔ اس کا باعث یہی تھا کہ آپ کی تقریر میں ایک خاص تاثیر اور کشش ہوتی تھی جو بیٹھنے پر مجبور کرتی تھی اور کبھی غیر حاضری برداشت نہ ہونے دیتی تھی۔ پاکستان بننے تک یعنی ۱۹۴۶ء کے جلسہ تک تو یہ معمول رہا کہ میں اور میرے ساتھی آپ کی تقریر سے گھنٹہ دو گھنٹے پہلے ہی سٹیج کے سامنے زمین پر ایسی جگہ قبضہ کر لیتے جہاں سے آپ کا چہرہ اچھی طرح سے نظر آتا اور قریب ترین بھی ہوتے بقلم۔ نوٹ بک اور موم بتیاں لے کر بیٹھ جاتے تاکہ اندھیرا ہو جانے پر بھی نوٹ لینے کا انتظام رہے آپ کی تقریر ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرنے کے بعد دو اڑھائی بجے کے قریب شروع ہوتی اور رات کے سات آٹھ بجے تک یا بعض دفعہ اس کے بھی بعد تک جاری رہتی۔ لیکن نہ تکان محسوس ہوتی اور نہ سردی کا احساس ہوتا۔ بس آپ کا چہرہ اور تقریر ہوتی اور ہم ہوتے۔ ایک عجیب سماں ہوتا جو بیان نہیں ہو سکتا۔ ہر آن یوں محسوس ہوتا کہ آسمان سے فرشتے اتر رہے ہیں اور دلوں میں زندہ ایمان اور سکینت پھونکتے ہیں اور ہماری آلودگیوں کو دور کرتے ہیں۔ آپ کی آخری تقریر کے بعد جس پر جلسہ ختم ہو جاتا میری زبان پر اکثر یہ شعر ہوتا

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد ٭ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

یعنی افسوس ایک آنکھ کی جھپک میں یار کی صحبت ختم ہو گئی۔ ابھی پھول کا چہرہ اچھی طرح نہ دیکھا تھا کہ بہار ختم ہو گئی

سلسلہ وار تقاریر کا آغاز

۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی اسی روز بعد نماز عصر مسجد نور میں آپ (حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؓ) نے جو تقریر فرمائی وہ الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۱۴ء میں چھپی ہوئی ہے اس میں آپ نہایت درد دل کے ساتھ دعا کی طرف دوستوں کو توجہ دلاتے ہیں۔ اس تقریر کے بعد آپ نے دعا کروائی جس کے متعلق یہ نوٹ درج ہے:

"اس تقریر کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ گر خدا جانے دعا میں کس سوز اور ابتہال تھا کہ اس نے مسجد نور کو تھوڑی دیر کے لئے مسجد بکا بنا دیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ تھی اور دلوں میں ایک سوزش تھی۔ بڑی لمبی دعا کے بعد ایک الٰہی تجلی معلوم ہوتی تھی کہ بجلی کی طرح دلوں پر سکینت کا نزول ہوا۔ دعا کے بعد بیٹھ گئے لوگوں میں ایک قبولیت اور جوش تھا۔ پھر فرمایا کہ جو روزہ رکھ سکتے ہیں وہ کل روزہ رکھیں اور اس حکم اور ارشاد کے بعد آپ مسجد نور سے اٹھے اور نواب صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے"

آپ کے کلام کی تاثیر کا اظہار اس دعا میں ہوا یہ خلافت کی قبا پہنائے جانے سے ایک دن پہلے کی بات تھی

۲۵ سال آپ کی عمر تھی۔

اسی روز حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات سے قبل آپ نے خطبہ جمعہ بھی دیا۔ اس میں فرمایا:۔
" وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ فرمایا جب میرے بندے مصیبتوں سے گھبرا جائیں اور ان کو کوئی یار و مددگار نہ ملے اور وہ پکار اٹھیں کہ اب ہمارا کوئی نہیں رہا اور وہ مصیبتوں سے گھبرا جائیں اور ان کی ہمت کی کمریں ٹوٹ جائیں اور ان کی امید قطع ہو جائے اور ہر طرف سے یاس ہی یاس ہو اور غم ہی غم نظر آوے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے میری طرف توجہ کریں اور مجھے پکاریں۔ میں ان کی دعا سنوں گا اور اسے قبول کروں گا۔ وہ میرے حضور جھک جائیں اور میرے آگے آکر گریں تو وہ دیکھ لیں گے کہ انسان سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر زیادہ کوئی قریب نہیں ہے۔ بظاہر لوگ ظاہری اسباب کی طرف دوڑتے ہیں لیکن حقیقتاً ایک ہی ہستی ہے جو انسان کو چھڑا سکتی ہے۔ انسان خدا کے حضور گر جاوے اور اس سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ تمام مشکلات کو حل کر دیتا ہے .... میں نے خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے پیار۔ اس کی نصرت اور مدد اور دعا کی قبولیت کے نظاروں کو دیکھا ہے۔ میں ایک دم کے لئے بھی باور نہیں کر سکتا کہ وہ ہماری دعاؤں کو ردّ کرے گا ...... خدا تعالیٰ عجیب عجیب نازک وقتوں میں انسان کی دستگیری کرتا اور مدد دیتا ہے۔ اگر مشکلات کے وقت مدد دینے والی اور مصائب سے بچانے والی کوئی ہستی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔ وہ بڑی بڑی مشکلات کو حل کر سکتا ہے۔ تم اگر اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف جاؤ گے تو تم یاد رکھو کہ تم مشرک ہو۔" (الفضل ۱۸۔ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۵)

اس تقریر سے نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ اور یہی چیز اپنے اندر تاثیر اور جاذبیت رکھتی ہے جو اصل تقریر کی جان ہے۔ بعض بڑی بڑی فصیح تقریریں ہوتی ہیں لیکن بالکل بے معنی اور بے جان۔ وقتی طور پر چٹخارے کا موجب تو وہ بن جاتی ہیں لیکن فائدے سے یکسر خالی ہوتی ہیں۔

اگلے دن یعنی ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو اللہ تعالیٰ نے خلافت آپ کے سپرد فرمائی۔ آپ کی پہلی تقریر میں یہ الفاظ ہیں:۔

" میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک خوف ہے اور اپنے وجود کو بہت ہی کمزور

پاتا ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم اپنے غلام کو وہ کام مت بتاؤ جو وہ کر نہیں سکتا۔ تم نے مجھے اس وقت سے غلام بنانا چاہا ہے تو وہ کام مجھے نہ بتانا جو میں نہ کر سکوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں کمزور اور گناہ گار ہوں۔ میں کس طرح دعویٰ کر سکتا ہوں کہ دنیا کی ہدایت کر سکوں گا اور حق اور راستی کو پھیلا سکوں گا۔ ہم تھوڑے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم اور غریب نوازی پر ہماری امیدیں بے انتہا ہیں۔ تم نے یہ بوجھ مجھ پر رکھا ہے تو سنو! اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے میری مدد کرو اور وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے فضل اور توفیق چاہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں میری اطاعت کرو۔ میں انسان ہوں اور کمزور انسان۔ مجھ سے کمزوریاں ہوں گی تو تم چشم پوشی کرنا۔ تم سے غلطیاں ہوں گی میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ میں چشم پوشی اور درگزر کروں گا"

(الفضل ۲۱ مارچ ۱۹۱۴ء صـ۲)

منصب خلافت

۱۲۔ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان میں بحکم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ضروریات سلسلہ پر غور کرنے کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں پنجاب اور ہندوستان کی جماعتوں کے نمائندے آئے ہوئے تھے۔ اس میں پونے نو بجے صبح شروع کر کے حضور نے اڑھائی گھنٹے تقریر فرمائی جس کے متعلق اس وقت رو داد میں لکھا گیا کہ یہ تقریر بلاشبہ زندگی کے خواہوں کو موت کے پنجہ سے نجات دینے اور قبروں میں دبے ہوؤں کو باہر لانے اور دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر کرنے کی الہامی بشارت کے پورا ہونے کی ایک بشارت اور بلا مبالغہ قرآن کریم کی ایک تفسیر تھی۔ یہ تقریر سوا گیارہ بجے ختم ہوئی اور دعا کے بعد اجلاس برخاست ہوا۔ اس تقریر میں حضور نے تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ کے لئے چند تجاویز بھی بیان فرمائیں جن پر غور کرنے کے لئے احباب کو بلایا گیا تھا اور ان کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے حضور نے حکم دیا کہ ظہر کی نماز کے بعد زیر صدارت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی احباب کا اجلاس ہو" (منصب خلافت صـ۵۵)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی یہ تقریر "منصب خلافت" کے نام سے چھپ گئی تھی اور ۵۴ صفحات کی ہے۔ اس میں حضور رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝
(البقرہ رکوع ۱۵)

کی تفسیر فرمائی ہے اور انبیاء کی بعثت کی غرض اور خلفاء کا کام بتایا ہے اس کے ابتدا ہی میں آپ نے فرمایا:۔

"آج رات کو میں نے بہت دعائیں کیں اور اپنے رب سے یہ عرض کیا کہ الٰہی میں تو غریب محض ہوں ان لوگوں کو کیا دے سکتا ہوں۔ حضور آپ ہی اپنے خزانوں کو کھول دیجئے اور ان لوگوں کو جو محض دین کی خاطر یہاں جمع ہوئے ہیں اپنے فضل سے حصہ دیجئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو ضرور قبول کرے گا۔ کیونکہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی درد دل اور سخت اضطراب سے دعا کی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو۔ بچہ بھی جب درد سے چلّاتا ہے تو ماں کی چھاتیوں میں دودھ جوش مارتا ہے پس جب ایک چھوٹے بچے کے لئے باوجود ایک قلیل اور عارضی تعلق کے اس کے چلّانے پر چھاتیوں میں دودھ آجاتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی اضطراب اور درد سے دعا کرے اور وہ قبول نہ ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے . . . . . . پھر میں نے اس کے حضور دعا کی کہ میں ان لوگوں کے سامنے کیا کہوں۔ تو آپ مجھے تعلیم کر اور آپ مجھے سمجھا۔ میں نے اس فتنہ کو دیکھا جو اس وقت پیدا ہوا ہے میں نے اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا کہ اس کی توفیق اور تائید کے بغیر اس کو دور کر سکوں۔ میرا سہارا اسی پر ہے۔ اس لئے میں اسی کے حضور جھکا اور درخواست کی کہ آپ ہی مجھے بتائیں میں ان لوگوں کو جو جمع ہوئے ہیں کیا کہوں۔ اس نے میرے قلب کو اس آیت کی طرف متوجہ کیا اور مجھ پر ان حقائق کو کھولا جو اس میں ہیں۔ میں نے دیکھا کہ خلافت کے تمام فرائض اور کام اس آیت میں بیان کر دیئے گئے ہیں، تب میں نے اُس کو اِس وقت تمہارے سامنے پڑھ دیا" (منصب خلافت ص۳، ص۵)

یہ فرمانے کے بعد آپ نے پھر اس آیت کی تفسیر فرمائی اور اس تفسیر نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ نکات معرفت اسی خدا کے سکھائے ہوئے ہیں جس نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔ آپ کے توکل کا رنگ اوپر کی عبارت سے نظر آتا ہے اور پھر اس توکل کا نتیجہ باقی ساری تقریر سے نظر آتا ہے آپ نے اس تقریر میں اسی آیت سے استدلال کر کے ساری سورۃ بقرہ کی ترتیب بھی بیان فرمائی۔ اس اجتماع کی غرض بھی بیان کی۔ اور ان سے مشورہ طلب امور بھی بتائے۔ تبلیغ کے کام کے متعلق آپ نے فرمایا:۔

"پہلا فرض خلیفہ کا تبلیغ ہے جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں نہیں جانتا کیوں بچپن ہی سے میری طبیعت میں تبلیغ کا شوق رہا ہے اور تبلیغ سے ایسا انس رہا ہے کہ میں سمجھ ہی نہیں سکتا

آپ نے دیکھا اس تقریر میں کس قدر زور، اور کس قدر فصاحت ہے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان اور یقین اس کے ایک ایک لفظ سے ٹپک رہا ہے۔ لیکن الفاظ ایسے سادہ ہیں کہ ہر شخص کے دل میں اتر جاتے ہیں۔ میں طوالت کے خوف سے اس کے اور حصّے یہاں درج نہیں کرتا ورنہ اس کا سارا مضمون ہی خدا تعالیٰ کی خاص تائید سے بیان کیا گیا نظر آتا ہے اور یہ صرف اس تقریر کا حال نہیں اصل بات یہ ہے کہ آپ کی تقاریر کا بیشتر حصّہ یہی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے اور جس غرض کے لئے وہ کی گئی تھیں اللہ تعالیٰ نے وہ غرض پوری کی۔ اس تقریر میں آگے جاکر حضورؓ فرماتے ہیں:۔

"میں جب یہاں آیا ہوں تو بیت الدعا میں دعا کرکے آیا تھا کہ میرے مونہہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلے جو ہدایت کی بات نہ ہو۔ ہدایت ہو اور لوگ، ہدایت سمجھ کر مانیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ وقت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور میں اپنے آپ کو روکنا چاہتا ہوں مگر باتیں آرہی ہیں اور مجھے بولنا پڑتا ہے۔ پس میں انہیں، ربّانی تحریک سمجھ کر اور اپنی دعا کا نتیجہ یقین کرکے بولنے پر مجبور ہوں" (منصب خلافت ص۳۱)

جب کوئی شخص آپ کی اُس وقت کی عمر کو دیکھتا ہے جو قریباً ۲۵ سال تھی اور آپ کے بیان کردہ معارف کو دیکھتا ہے اور آپ کے کلام میں محبت الٰہی کی خوشبو کو پاتا ہے تو بے اختیار زبان سے نکلتا ہے" این سعادت بزور بازو نیست"

برکاتِ خلافت

اُسی سال ۱۹۱۴ء میں ہی جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ نے جو تقریریں فرمائیں وہ "برکاتِ خلافت" کے نام سے چھپی ہوئی ہیں۔ ۲۷ دسمبر کی تقریر میں آپ نے چند ایسی باتیں بیان فرمائیں جن کا ان دنوں چرچا ہو رہا تھا اور وہ بہت ضروری تھیں۔ ان میں سے ایک اہم بات خلافت کے متعلق تھی۔ آپ نے فرمایا:۔

"دیکھنے والوں کو تو یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہوگی کہ کئی لاکھ کی جماعت پر حکومت مل گئی۔ مگر خدارا غور کرو! کیا تمہاری آزادی میں پہلے کی نسبت کچھ فرق پڑ گیا ہے کیا کوئی تم سے غلامی کرواتا ہے یا تم پر حکومت کرتا ہے یا تم سے ماتحتوں، غلاموں اور قیدیوں کی طرح سلوک کرتا ہے۔ کیا تم میں اور ان میں جنہوں نے خلافت سے روگردانی کی ہے کوئی فرق ہے۔ کوئی بھی فرق نہیں۔ لیکن نہیں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ

کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا، تمہاری محبت رکھنے والا۔ تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا۔ تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے۔ مگر اُن کے لئے نہیں۔ تمہارا اسے فکر ہے درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولا کے حضور تڑپتا رہتا ہے لیکن ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے۔ کسی کا اگر ایک بیمار ہو تو اس کو چین نہیں آتا۔ لیکن کیا تم ایسے انسان کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہو جس کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بیمار ہوں۔ پس تمہاری آزادی میں تو کوئی فرق نہیں آیا۔ ہاں تمہارے لئے ایک تم جیسے ہی آزاد پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں۔

سنا جاتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجھے حکومت کی خواہش تھی اس لئے جماعت میں تفرقہ ڈال کر لوگوں سے بیعت لے لی ہے لیکن بیعت لینے کے وقت کی حالت میں تمہیں بتاتا ہوں۔ جس وقت بیعت ہو چکی تو میرے قدم ڈگمگائے اور میں نے اپنے اوپر ایک بہت بڑا بوجھ محسوس کیا۔ اُس وقت مجھے خیال آیا کہ آیا اب کوئی ایسا طریق بھی ہے کہ میں اس بات سے لوٹ سکوں۔ میں نے بہت غور کی اور بہت سوچا لیکن کوئی طرز مجھے معلوم نہ ہوئی۔ اس کے بعد بھی کئی دن اسی فکر میں رہا تو خدا تعالیٰ نے مجھے رؤیا میں بتایا کہ میں ایک پہاڑی پر چل رہا ہوں۔ دشوار گزار راستہ دیکھ کر میں گھبرا گیا اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے لوٹنے کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پچھلی طرف میں نے دیکھا کہ پہاڑ ایک دیوار کی طرح کھڑا ہے اور لوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اب تم آگے ہی آگے چل سکتے ہو پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔

میں نے اس بات پر غور کیا ہے کہ نبی پر چالیس سال کے بعد نبوت کیوں نازل ہوتی ہے۔ اس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ چالیس سال کے بعد تھوڑے سال ہی انسان کی زندگی ہوتی ہے اس لئے ان میں مشکلات کو برداشت کر کے نبی گزارہ کر لیتا ہے لیکن اگر جوانی میں ہی اسے نبوت مل جائے تو بہت مشکل پڑے اور اتنے سال زندگی کے بسر کرنے نہایت دشوار ہو جائیں کیونکہ "یہ کام کوئی آسان نہیں ہے" (برکات خلافت صفحہ ۵، ۶)

اس میں ذاتی کیفیت کا اظہار اور ہر بات کو سمجھانے کا کیسا آسان لیکن دلنشین طریق اختیار کیا ہے۔ یہ تقریر اسی طرز پر آگے چلتی ہے لیکن یہاں نقل کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس میں آپ نے خلافت پر بعض اعتراضوں کے جواب دیئے۔ ایک اس اعتراض کا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو بادشاہ ہو یا مامور۔ دوسرے

میں چھوٹی سی عمر میں ہی ایسی دعائیں کرتا تھا اور مجھے ایسی حرص تھی کہ اسلام کا جو کام بھی ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو۔ میں اپنی اس خواہش کے زمانہ سے واقف نہیں کہ کب سے ہے۔ میں جب دیکھتا تھا اپنے اندر اس جوش کو پاتا تھا اور دعائیں کرتا تھا کہ اسلام کا جو کام ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو۔ پھر اتنا ہو اتنا ہو کہ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو جس میں اسلام کی خدمت کرنے والے میرے شاگرد نہ ہوں۔ میں نہیں سمجھتا تھا اور نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ جوش اور انس اسلام کی خدمت کا میری فطرت میں کیوں ڈالا گیا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ یہ جوش بہت پرانا رہا ہے۔ غرض اس جوش اور خواہش کی بناء پر میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ میرے ہاتھ سے تبلیغ اسلام کا کام ہو۔ اور میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے میری ان دعاؤں کے جواب میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں۔ غرض تبلیغ کے کام سے مجھے بڑی دلچسپی ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ سب دنیا ایک مذہب پر جمع نہیں ہو سکتی اور یہ بھی سچ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس کام کو نہیں کر سکے۔ اور کون ہے جو اسے کر سکے یا اس کا نام بھی لے۔ لیکن اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی خادم اور ملازم توفیق دیا جاوے کہ ایک حد تک تبلیغ اسلام کے کام کو کرے تو یہ اس کی اپنی کوئی خوبی اور کمال نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔ میرے دل میں تبلیغ کے لئے اتنی تڑپ تھی کہ میں حیران تھا اور سامان کے لحاظ سے بالکل قاصر۔ پس میں اس کے حضور میں جھکا اور دعائیں کیں۔ اور میرے پاس تھا ہی کیا؟ میں نے بار بار عرض کی کہ میرے پاس نہ علم ہے نہ دولت۔ نہ کوئی جماعت ہے۔ نہ کچھ اور ہے جس سے میں خدمت کر سکوں۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ اس نے میری دعاؤں کو سنا اور آپ ہی سامان کر دیئے اور تمہیں کھڑا کر دیا کہ میرے ساتھ ہو جاؤ۔

پس آپ وہ قوم ہیں جس کو خدا نے چن لیا اور یہ میری دعاؤں کا ایک ثمرہ ہے جو اس نے مجھے دکھایا۔ اس کو دیکھ کر میں یقین رکھتا ہوں کہ باقی ضروری سامان بھی وہ آپ ہی کرے گا۔ اور ان بشارتوں کو عملی رنگ میں دکھا دے گا۔ اور اب میں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کی ہدایت میرے ہی ذریعہ ہوگی۔ اور قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ گزرے گا جس میں میرے شاگرد نہ ہوں گے۔ کیونکہ آپ لوگ جو کام کریں گے وہ میرا ہی ہوگا۔"

(منصب خلافت صـ۱۶، صـ۱۷)

اس کا کہ چونکہ حضرت مسیح اسرائیلی کے بعد خلافت کا سلسلہ ثابت نہیں اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہیئے تیسرے اس اعتراض کا جواب کہ حضور نے مولوی محمد علی صاحب کو تقریر کرنے سے روک دیا اور ان کی ہتک کی۔ گویا اپنے انتخاب کے لئے ایک قسم کی سازش کی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"میں ایک دفعہ قسم کھا چکا ہوں اور پھر اسی ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور جو اس گھر (مسجد) کا مالک ہے۔ اور میں اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو آسمان اور زمین کا مالک ہے اور جس کی جھوٹی قسم لعنت کا باعث ہوتی ہے اور جس کی لعنت سے کوئی جھوٹا بچ نہیں سکتا کہ میں نے کسی آدمی کو کبھی نہیں کہا کہ مجھے خلیفہ بنانے کے لئے کوشش کرو اور نہ ہی کبھی خدا تعالیٰ کو میں نے یہ کہا ہے کہ مجھے خلیفہ بنا۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس کام کے لئے خود اپنے فضل سے چن لیا ہے تو میں کس طرح اسے ناپسند کرتا؛ کیا اگر تمہارا کوئی دوست تمہیں کوئی نعمت دے اور تم اس کو نالی میں پھینک دو تو تمہارا دوست خوش ہوگا اور تمہاری یہ حرکت درست ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ تو اگر خدا تعالیٰ نعمت دے تو کون ہے جو اس کو ہٹا سکے ..... مجھے یقین تھا کہ وہ خدا جس نے مجھے اس کام کے لئے چنا ہے وہ خود میرے پاؤں کو مضبوط کر دے گا اور مجھے استقامت اور استقلال بخشے گا پس اگر مجھے خلیفہ ماننے والے بھی سب کے سب نہ ماننے والے ہو جاتے اور کوئی بھی مجھے نہ مانتا اور ساری دنیا میری دشمن اور جان کی پیاسی ہو جاتی جو کہ زیادہ سے زیادہ یہی کرتی کہ میری جان نکال لیتی تو بھی میں آخر دم تک اس پر قائم رہتا اور کبھی خدا تعالیٰ کی نعمت کے رد کرنے کا خیال بھی میرے دل میں نہ آتا کیونکہ یہ غلطی بڑے بڑے خطرناک نتائج پیدا کرتی ہے۔

اس شخص کو خدا کی معرفت سے کوئی حصہ نہیں ملا اور وہ خدائی حکمتوں کے سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا جو مجھے کہتا ہے کہ آپ خلافت کو چھوڑ دیں اس نادان کو کیا معلوم ہے کہ اس کے چھوڑنے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ پس حضرت عثمانؓ کی طرح میں نے بھی کہا کہ جو قبا مجھے خدا تعالیٰ نے پہنائی ہے وہ میں کبھی نہیں اتاروں گا خواہ ساری دنیا اس کے چھیننے کے درپے ہو جائے۔ پس میں اب آگے ہی بڑھوں گا خواہ کوئی میرے ساتھ آئے یا نہ آئے۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ابتلاء آئیں گے مگر انجام اچھا ہوگا۔ پس کوئی میرا مقابلہ کر کے دیکھ لے خواہ وہ کوئی ہو انشاءاللہ تعالیٰ میں کامیاب ہوں گا اور مجھے کسی کے مقابلہ کی خدا کے فضل سے کچھ بھی پرواہ نہیں ہے۔" (برکات خلافت صفحہ ۲۰ تا ۲۲)

اس حصۂ تقریر کے ایک ایک لفظ سے ایک عظیم الشان توکل اور عزم ٹپکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے خوب اچھی طرح سے پورا کرکے دکھایا فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

اسی تقریر میں آپ نے اپنے خلیفہ برحق ہونے کے متعلق ۹ آسمانی شہادتیں بھی بیان فرمائیں اور آخر میں فرمایا:۔

"اب میں آخر میں تمام راستی پسند انسانوں کو کہتا ہوں کہ اگر وہ اب تک خلافت کے مسئلہ میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکے تو اب بھی فیصلہ کرلیں کیونکہ یہ کام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور کسی انسان کا اس میں دخل نہیں۔ اگر آپ اس صداقت کا انکار کریں گے تو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ پس حق کو قبول کریں اور جماعت میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ میں کیا چیز ہوں۔ میں جماعت کا ایک خادم ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو متحد کرنا چاہتا ہے ورنہ کام تو سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مجھے خلافت کا نہ شوق تھا اور نہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام پر مقرر کردیا تو میں ہوگیا۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور آپ ان باتوں کو سن کر یہ بھی اندازہ کرسکیں گے کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قبل از وقت خلافت کا جھگڑا۔ خلیفہ کی صداقت۔ خلیفہ اولؓ کی وفات کا سنہ۔ مہینہ۔ آپ کی وصیت۔ میرا گاڑی میں آپ کی وفات کی خبر سننا۔ آپ کی بیماری کا حال سب کچھ بتا دیا تھا تو کیا ایک لمحہ کے لئے بھی میرا دل متردد ہو سکتا تھا" (برکات خلافت صـ۵۵)

۲۷ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہی اپنی دوسری تقریر میں حضور نے جماعت کو بعض متفرق اہم باتیں سمجھائیں مثلاً جماعت کو سیاست میں کیوں حصہ نہیں لینا چاہیئے اور سیاست میں پڑنے سے کیا کیا خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں اپنے قرب کے لئے بلاتا ہے ہمیں اسکی قدر کرنی چاہیئے اور دوسری الجھنوں سے دور رہنا چاہیئے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

"دنیا میں اگر کسی کو کوئی چھوٹا افسر بھی بلاتا ہے تو وہ پھولا نہیں سماتا۔ لیکن افسوس اور صد افسوس اس پر جس کو خدا تعالیٰ بلائے اور وہ اس بلانے کی قدر نہ کرے۔ تم کو خدا نے بلایا ہے دنیا کے بادشاہ اور افسر تمہیں وہ نہیں دے سکتے جو خدا تعالیٰ دے سکتا ہے اس لئے تم اس کے بلانے پر دوڑتے اور شکر بجا لاتے ہوئے جاؤ۔ دنیا کے مال و متاع۔ ناز و نعمت کے لحاظ سے اور لوگ تم سے زیادہ اور بہت زیادہ ہیں مگر دین کے خزانے صرف تمہارے ہی پاس ہیں۔ ان کے پاس نہیں ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی خدمت کے نصیب ہوتے ہوئے اور کیا چاہتے ہو۔ اس میں لگے رہو اور دنیا کی ایجیٹیشنیں دنیا کے کیڑوں کے حوالے

کردو اور تم شیطان کے مقابلہ پر ایجی ٹیشن کرو" (برکات خلافت ص۶۹)

اس قسم کی حقیقی روح رکھنے والی تقریر اپنی شان میں کیسی نرالی ہوتی ہے یہ صرف اس انسان کے مونہہ سے ہی نکل سکتی ہے جو صرف خدا تعالےٰ کا ہی ہو چکا ہو۔

اس کے بعد اسی تقریر میں آپ نے نکاح کے بارے میں جن باتوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے بیان فرمایا۔ پھر نماز باجماعت اور زکوٰۃ کے متعلق دلائل کے ساتھ سمجھایا۔ گویا جن باتوں کی جماعت کو سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ بیان کیں۔ یہی آپ کی تقاریر کا مقصد ہوتا تھا

۲۸ دسمبر ۱۹۱۴ء کو آپ نے اپنی تقریر میں آیت الکرسی کی نہایت لطیف تفسیر فرمائی یہ بھی کافی لمبی تقریر ہے اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

"اب میں بتاتا ہوں کہ وہ کیا شے ہے جس کی طرف میں آپ لوگوں کو بلاتا ہوں اور وہ کونسا نکتہ ہے جس کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں۔ سنو! وہ ایک لفظ ہے زیادہ نہیں صرف ایک ہی لفظ ہے اور وہ اللہ ہے اسی کی طرف میں تم سب کو بلاتا ہوں اور اپنے نفس کو بھی اسی کی طرف بلاتا ہوں۔ اسی کے لئے میری پکار ہے اور اسی کی طرف جانے کے لئے میں بگل بجاتا ہوں۔ پس جس کو خدا تعالےٰ توفیق دے آئے اور جس کو خدا تعالیٰ ہدایت دے وہ اسے قبول کرے"

(برکات خلافت ص۱۰۷)

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالےٰ کے حسن کا نقشہ کھینچا ہے اور فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ خدا ہے جو واقعی خدا ہے اور ایسا کوئی اور نہیں ہے۔ اگر ایسے خدا کے ہوتے ہوئے کوئی کسی اور کی طرف جائے تو کتنے بڑے افسوس کی بات ہے اگر کسی شخص کو نہایت عمدہ کھانا ملے اور وہ اسے چھوڑ کر نجاست کی طرف دوڑے۔ اگر کسی شخص کو عمدہ کپڑا ملے اور وہ اسے چھوڑ کر میلی کچیلی لنگوٹی باندھ لے تو بتاؤ وہ دانا اور عقلمند کہے جانے کے قابل ہے ہرگز نہیں۔ دانا وہی ہے جو بہتر چیز کو پسند کرے۔ پس اللہ تعالےٰ سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ میں آپ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اللہ ہی ہر وقت تمہارے مدنظر ہو۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام چیزیں ہیچ ہیں۔ اور کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی"

(برکات خلافت ص۱۱۷)

یہ تقریر نہیں بلکہ آسمانی ندا معلوم ہوتی ہے۔ اسی تقریر میں آپ نے روحانیت کے سات مدارج بیان فرمائے ہیں۔

انوار خلافت

اس کے بعد جلسہ سالانہ ۱۹۱۵ء میں جو تقاریر آپ نے ۲۴-۲۷-۲۸ اور ۳۰ دسمبر کو فرمائیں وہ "انوار خلافت" کے نام سے چھپی ہوئی ہیں۔ ان تقریروں کا حجم ۱۸۰ صفحات ہے۔ گویا ایک خاصی ضخیم کتاب ہے۔ ان میں آپ نے یہ مضمون بیان فرمایا کہ اسمہ احمد کی پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ مسئلہ نبوت کی وضاحت فرمائی۔ تحصیل علم کی طرف جماعت کو پر زور توجہ دلائی اور اس کی ضرورت پر دلائل دیئے۔ سب سے زیادہ ضرورت قرآن کریم کا علم حاصل کرنے کی بتائی اور فرمایا:۔

"قرآن شریف تو وہ کتاب ہے جس میں ایسی ایسی باتیں ہیں کہ اگر ہم ان سے واقف ہو جائیں تو اس دنیا میں بھی سکھ پا سکتے ہیں اور اگلے جہان میں بھی آرام پا سکتے ہیں پس کیسا غافل ہے وہ انسان جو اپنے پاس خدا تعالیٰ کی کتاب کے ہوتے ہوئے اس کو نہ پڑھے ۔۔۔ بے شک تم دنیا کے کام کرو لیکن تمہارا یہ بھی کام ہے کہ قرآن شریف کے سیکھنے کی کوشش کرو۔ قرآن شریف میں وہ حکمت اور وہ معرفت ہے کہ اگر انسان اس پر غور کرے تو حیران ہو جائے۔ میں تو قرآن شریف کی ایک ایک زیر اور زبر پر حیران ہو ہو جاتا ہوں۔ قرآن شریف میں بظاہر ایک لفظ ہوتا ہے لیکن بڑے بڑے مضامین ادا کرتا ہے۔"

(انوار خلافت ط۷)

آپ نے اس کا ثبوت بھی تفسیر کبیر کے تصنیف فرمانے سے دیا جو ایک لاجواب تفسیر قرآن ہے پھر آپ نے اسی میں عورتوں کو علم دین سکھانے کی طرف توجہ دلائی اور اس کی اہمیت کی وجوہات بیان فرمائیں۔ اور دیگر ضروری مسائل بھی بتائے۔

۲۸ دسمبر ۱۹۱۵ء کی تقریر میں سورۃ النصر کی تفسیر بیان فرمائی اور بتایا کہ اس سورۃ میں کس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آئندہ کے خطرات سے خبردار کیا ہے۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی تاکید کیوں کی گئی۔ ذنب اور جناح کے متعلق بتایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد فسادات میں کون لوگ شامل ہوئے۔ وغیرہ۔ آپ نے فرمایا:۔

"آپ لوگ اس مضمون کو غور سے سنیں اس کا کچھ حصہ علمی اور تاریخی ہے اس لئے ممکن ہے کہ بعض کو مشکل معلوم ہو لیکن یہ وہ بات ہے اور میں کامل الیقین سے کہتا ہوں یہ وہ بات ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تو بیان فرمائی ہے لیکن آج تک کسی نے

اسے قرآن شریف سے سیکھ کر بیان نہیں کیا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے سکھائی ہے اور اس بات کا موقع دیا ہے کہ آپ لوگوں کو سناؤں۔ پس جو شخص اسے سنے گا اور پھر اس پر عمل کرے گا۔ وہ کامیاب اور بامراد ہو جائے گا اور جو نہیں سُنے گا اور عمل نہیں کرے گا وہ یاد رکھے کہ ایسے ایسے فتنے آنے والے ہیں کہ جن کے ساتھ یہ فتنہ جو اس وقت برپا ہوا ہے کچھ مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔" (انوار خلافت ص۱۰۷)

اس میں ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

"پس تم لوگ یاد رکھو کہ آنے والا فتنہ بہت خطرناک ہے۔ اس سے بچنے کے لئے بہت بہت تیاری کرو۔ پہلوں سے یہ غلطیاں ہوئیں کہ انہوں نے ایسے لوگوں کے متعلق حسن ظنی سے کام لیا جو بدظنیاں پھیلانے والے تھے حالانکہ اسلام اُس کی حمایت کرتا ہے جس کی نسبت بدظنی پھیلائی جاتی ہے اور اس کو جھوٹا قرار دیتا ہے جو بدظنی پھیلاتا ہے اور جب تک کہ باقاعدہ تحقیقات پر کسی شخص پر کوئی الزام ثابت نہ ہو۔ اس کا پھیلانے والا اور لوگوں کو سنانے والا اسلام کے نزدیک نہایت خبیث اور منتفنّی ہے۔

پس تم لوگ تیار ہو جاؤ تاکہ تم بھی اس قسم کی کسی غلطی کا شکار نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ اب تمہاری فتوحات کا زمانہ آرہا ہے اور یاد رکھو کہ فتوحات کے زمانہ میں ہی تمام فسادات کا بیج لویا جاتا ہے۔ جو اپنی فتح کے وقت اپنی شکست کی نسبت نہیں سوچتا اور اقبال کے وقت ادبار کا خیال نہیں کرتا اور ترقی کے وقت تنزل کے اسباب کو نہیں مٹاتا اسکی ہلاکت یقینی اور اس کی تباہی لازمی ہے۔ نبیوں کی جماعتیں بھی اس فساد سے خالی نہیں ہوئیں اور وہ بھی جب ترقی کرتی ہیں اور ایسے لوگ ان میں داخل ہوتے ہیں جنہوں نے نبی کی صحبت نہیں پائی ہوتی اور ان کا ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوتا جتنا ان لوگوں کا ہوتا ہے جو نبی کی صحبت میں رہے ہوتے ہیں اور جن کی تربیت بوجہ اس کے کہ وہ جماعت در جماعت آکر داخل ہوئے ہوتے ہیں ناقص ہوتی ہے تو اُن میں بھی فساد شروع ہو جاتا ہے جو آخر ان کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کرکے ان کے اتحاد کو توڑ دیتا ہے۔ یا ان کی جڑ کو ایسا کھوکھلا کر دیتا ہے کہ آئندہ ان کی روحانی طاقتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ہماری جماعت کی ترقی کا زمانہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت قریب آگیا ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ افواج در افواج لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ مختلف ملکوں سے جماعتیں داخل ہوں گی اور وہ زمانہ آتا ہے کہ گاؤں کے گاؤں

اور شہر کے شہر احمدی ہوں گے اور ابھی سے مختلف اطراف سے خوشخبری کی ہوائیں چل رہی ہیں اور جس طرح خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے تاکہ غافل لوگ آگاہ ہو جائیں اور اپنے مال و اسباب کو سنبھال لیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے ہماری ترقی کی ہوائیں چلا دی ہیں۔ پس ہوشیار ہو جاؤ۔" (انوار خلافت ص۱۱۰، ص۱۱۱)

آگے نبیوں کی صحبت پانے والوں کا نقشہ کھینچنے کے بعد حضور فرماتے ہیں :-

" اس قسم کی باتیں نبیوں کی ہی صحبت میں رہ کر حاصل ہو سکتی ہیں لیکن انہوں نے (یعنی بعد میں آنے والوں نے) اس قسم کے نظارے نہ دیکھے ہوں گے پھر انہوں نے وہ محبت کی گھڑیاں نہ دیکھی ہوں گی جو آپ نے دیکھی ہیں۔ انہوں نے اطاعت اور فرمانبرداری کے وہ مزے نہ اٹھائے ہوں گے جو آپ نے اٹھائے ہیں۔ انہیں حضرت مسیح موعودؑ سے وہ پیار نہ ہوگا جو آپ لوگوں کو ہے۔ انہوں نے وہ نشانات نہ دیکھے ہوں گے جو آپ لوگوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ رہ کر دیکھے ہیں۔ انہیں حضرت مسیح موعودؑ کا وہ پیار اور محبت سے دیکھنا اور باتیں کرنا نصیب نہ ہوگا جو آپ لوگوں کو ہوا ہے۔ ان کے دلوں میں اطاعت اور فرمانبرداری کا وہ جوش نہ ہوگا جو آپ لوگوں کے دلوں میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے سینے خدا تعالیٰ خاص طور پر خود کھول دے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ کے بعد بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے پہلوں کی طرح ایمان اور یقین حاصل کر لیا تھا اور ان جیسی ہی صفات بھی پیدا کر لی تھیں مثلاً امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ۔ امام ابو حنیفہؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، شہاب الدین سہروردیؒ، معین الدین چشتیؒ وغیرہم۔ ان لوگوں نے محنتیں اور کوششیں کیں اس لئے ان کے دل پاک ہو گئے مگر جس کثرت سے صحابہؓ میں ایسے لوگ تھے اس کثرت سے بعد میں نہ ہو سکے۔ بلکہ بعد میں کثرت ان لوگوں کی تھی جن میں بہت سے نقص موجود تھے اور قلت ان کی تھی جو صحابہؓ جیسی صفات رکھتے تھے۔" (انوار خلافت ص۱۱۱)

ان دونوں حصوں میں جو میں نے اوپر دیئے ہیں کیسے کیسے عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے اصول بیان کئے گئے ہیں جو قومی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ اور کس رنگ میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اور کس طرح نبیوں کی محبت کے اثرات بتائے گئے ہیں لیکن بعد میں آنے والوں کو بھی مایوس نہیں کیا۔ ہوشیار کیا ہے۔ اور ان کے لئے بھی راستہ بتایا ہے۔ اصل مقصد کو اپنی تقریر کے کسی حصے میں اوجھل نہیں ہونے دیا۔

آگے فرماتے ہیں :-

"بے شک میں تمام جماعت کے لئے ہمیشہ دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا اور مجھے اپنی دعاؤں کے نیک نتائج نکلنے کی امید ہے۔ ناامیدی میری فطرت میں ہی نہیں ہے کیونکہ میری طبیعت خدا تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے جو ناامیدی کے الفاظ کو سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔ مجھے اس شخص پر بہت غصہ آتا ہے جو خدا تعالیٰ کی نسبت کسی ناامیدی کا اظہار کرے اس وقت میرے تمام بدن کو آگ سی لگ جاتی ہے۔ نیز میں یہ بات بھی کبھی نہیں سن سکتا کہ فلاں بات نہیں ہو سکتی۔ مجھے ایسے لوگوں سے ہمیشہ نفرت رہی ہے اور رہے جو اس قسم کے ہوتے ہیں"

(انوار خلافت صـ۱۱۵)

یہ بات یاد رہے کہ اس قدر دعائیں کرنے والا اور اس زور سے خدا کی طرف جھکنے والا اور کسی امر میں بھی خدا سے ناامید نہ ہونے والا ایک ستائیس سالہ نوجوان ہے جو یہ تقریر کر رہا ہے

پھر اس تقریر میں آپ نے اس فتنہ کی تفصیل بیان کی جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں پیدا ہوا تھا۔ اور بتایا کہ اس سے پہلے کسی شخص نے ان واقعات کو اس رنگ میں ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ یہ خدا تعالیٰ سے علم پاکر بتائے گئے ہیں۔

اسی جلسہ میں آپ نے چوتھی تقریر ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو فرمائی اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرشن، بدھ، مسیح اور مہدی ہونے کے ثبوت بیان فرمائے۔

متفرق امور کے متعلق ایک یادگار تقریر!

جلسہ سالانہ ۱۹۱۶ء میں ۲۷ر دسمبر کو ایک تقریر متفرق امور کے متعلق فرمائی۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے مولوی محمد احسن صاحب نے جماعت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا تھا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے متعلق لکھا کہ وہ حضور کو خلافت سے معزول کرتے ہیں۔ اس تقریر میں حضور نے اس کے متعلق بیان کیا اور فرمایا:-

"میں کہتا ہوں خلیفہ اگر خدا بناتا ہے۔ اور واقعہ میں خدا ہی بناتا ہے تو مولوی محمد احسن چھوڑ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اسے معزول کر سکے۔ ہاں میں یہ مان لیتا ہوں کہ مولوی محمد احسن نے جو مجھے خلافت دی تھی اس سے میں معزول ہو تا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ جس کسی نے ان کی دی ہوئی خلافت سمجھ کر میری بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت فسخ کرنے میں آزاد ہے یوں تو ہر ایک اپنے عقائد کے رکھنے میں آزاد ہے۔ لیکن میں خود ایسے لوگوں کو کہتا ہوں کہ وہ بیعت فسخ کر لیں لیکن جس کسی نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی خلافت کے لئے اسی کے

تصرف کے ماتحت بیعت کی تھی۔ اس کے سامنے اگر ساری دنیا بھی محمد احسن بن کر اعلان کرے تو وہ کبھی فسخ نہیں کرے گا۔ اور پھر جس قدر دنیا کے انسان ہیں ان کے خون کے ایک ایک قطرہ سے محمد احسن ہی محمد احسن بن جائیں اور دنیا کے چاروں طرف سے آ کر مجھے خلافت سے معزول کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ میں تو محمد احسن کی دی ہوئی خلافت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ وہ اپنی خلافت کو گھر رکھیں۔ میں نے نہ ان سے خلافت لی ہے، اور نہ وہ مجھے معزول کر سکتے ہیں۔"

(ذکر الٰہی صـ۱۷)

اس تقریر میں آپ نے اس اعتراض کا بھی جواب دیا کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

"اس میں شک نہیں کہ ظلیت کے لحاظ سے حضرت مسیح موعودؑ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات آ گئے ہیں۔ مگر درجہ کے لحاظ سے آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر کہنا میں کفر سمجھتا ہوں۔ دیکھو تصویر میں وہ باتیں آجاتی ہیں جو اصل میں ہوتی ہیں مثلاً ہاتھ، ناک، کان، سر، آنکھیں وغیرہ وغیرہ مگر پھر بھی تصویر تصویر ہی ہے اور اصل اصل ہے۔ پس میرا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس قدر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے کہ وہی ہو گئے۔ لیکن کیا استاد اور شاگرد کا ایک مرتبہ ہو سکتا ہے" (ذکر الٰہی صـ۱۸، ۱۹)

اسیطرح آپ نے کفر اسلام۔ غیر احمدی کو لڑکی دینا، اور غیر احمدی کے جنازہ کے متعلق پوری وضاحت فرمائی

اسی روز آپ کی دوسری تقریر جماعت احمدیہ کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں پر ہوئی اس کے ایک حصہ میں فرمایا:۔ "میں بھی وہ باتیں قرآن کریم اور احادیث سے ہی اخذ کر کے بتاؤں گا اور وہ ایسی باتیں ہیں جو خدا تعالےٰ نے مجھے بتائی ہیں اور جو تعلق باللہ اور ایمان مضبوط اور تازہ کرنے کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جو پہلے کسی نے نہیں بیان کیں بلکہ مجھے خدا تعالےٰ نے سمجھائی ہیں۔ میں نے اہل علم لوگوں کی کتابوں کو دیکھا ہے مجھے تو وہ باتیں کہیں نظر نہیں آئیں" (ذکر الٰہی صـ۳۳، ۳۴)

آگے فرمایا:۔

"ایک تاجر اس وقت کسی چیز کی قیمت حاصل کر سکتا ہے جب کہ خریدار کو وہ چیز دے بھی۔ لیکن اگر یہ کہے میں چیز تو نہیں دوں گا مجھے یونہی قیمت دے دو تو یہ اس کی جہالت اور

نادانی ہوگی۔ اسیطرح اگر ایک بندہ یہ امید رکھتا ہے کہ خدا تعالےٰ ہر ایک مشکل اور مصیبت میں میری تائید کرے اور اپنے انعامات کا وارث بنائے تو اسے چاہیئے کہ وہ چیز بھی خدا تعالےٰ کو دے جس کے عوض میں اسے یہ کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ۔"

(ذکر الٰہی صـ۴۶)

پھر آپ نے بیعت کی غرض اور فوائد بتاتے اور جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :۔

"پس اے دوستو! سنو اور بڑے غور سے سنو کہ زمانہ گزرتا جاتا ہے اور موت قریب آرہی ہے۔ ہم آج کی صبح کے وقت موت کے قریب تھے۔ اب اس سے زیادہ قریب ہو گئے ہیں اور جس وقت یہ لیکچر ختم ہوگا اس وقت اور بھی زیادہ قریب ہو جائیں گے موت اس شیر کی طرح ہے جو ہماری طرف مونہہ کھولے بھاگا چلا آرہا ہو۔ وہ ہر گھڑی اور ہر لحظہ ہمارے قریب اور نزدیک ہو رہی ہے۔ اس لئے ہمیں فرصت تھوڑی اور کام بہت ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس لیکچر کے ختم ہونے تک کون زندہ رہے گا اور کس کو موت آجائے گی حتیٰ کہ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ سانس جو اس وقت آیا ہے اس کے بعد بھی کوئی آئے گا یا نہیں۔ اس لئے نہایت ضروری ہے اور اس میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں کرنی چاہیئے کہ ہم اس بات کا عہد اور پختہ عہد کرلیں کہ ہم اپنی جان اور مال خدا کی راہ میں دینے کو ہر وقت تیار رہیں تاکہ اگر اس وقت جان نکل جائے تو ہم کہہ سکیں کہ ہم نے خدا تعالےٰ کے ساتھ سچی اور پکی بیع کی تھی اور اس پر شرح صدر سے قائم تھے۔ پس اپنے دلوں میں تبدیلی کرو اور فوراً کرو تاکہ خدا تعالےٰ کے حضور انعام پانے کے مستحق ٹھہر سکو۔ ورنہ صرف مونہہ سے کہہ دینے سے کہ ہم احمدی ہو گئے ہیں کچھ نہیں ملے گا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ ایمان لانے کا صرف زبانی اقرار کرلینے سے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور خدا ان کی آزمائش نہیں کرے گا۔ یہ درست نہیں ہے خدا ضرور ان کی آزمائش کرے گا۔" (ذکر الٰہی صفحہ ۵۰)

اس میں کیسی تڑپ نظر آرہی ہے کہ انسان کسی نہ کسی طرح اپنے خدا کی طرف کھینچے جائیں۔ گویا انسانی پیدائش کی غرض کو پورا کرنے کی انتہائی تحریص دلانے والی یہ تقریریں ہیں۔ جو کہ تقریر کا اصل مقصد ہونا چاہیئے۔ پھر فصاحت بھی اسی تڑپ اور درد کے مطابق ہے اور زبان بھی ایسی سادہ ہے کہ ہر شخص اچھی طرح سے سمجھ سکے۔ دنیاداروں والی لفاظی اور تکلف ہرگز نہیں۔ بلکہ سادگی اور اخلاص اور پاکیزگی ہے جو تاثیر کی جان ہوتے ہیں میں نے تقریر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دیئے ہیں ورنہ ساری تقریر ہی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ

کے متعلق فرماتے ہیں :۔

" وہ خدا جو بڑا ہی خوبصورت اور بڑے ہی جمال والا ہے۔ بڑی ہی شان و شوکت رکھتا ہے اور ایسا ہے کہ اس کی صفات کو سن کر انسان کا دل چاہتا ہے کہ اس کے رستے میں اپنے جسم کو ریزہ ریزہ کر دے " (ذکر الٰہی صفحہ ۶۹)

روحانی میدان میں جدوجہد کرنے کے لئے ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

" یاد رکھو کہ تمہیں اس مقابلہ میں اچانک اور جھٹ پٹ فتح نہیں حاصل ہو جائے گی۔ بلکہ تمہیں ایک ایک قریہ ایک ایک علاقہ، ایک ایک شہر، ایک ایک گاؤں، ایک ایک گلی، ایک ایک گھر۔ ایک ایک کونے بلکہ ایک ایک فٹ اور ایک ایک انچ زمین کے لئے لڑنا ہوگا۔ اور شیطان سے مقابلہ کر کے اسے شکست دینی پڑے گی۔ تب جا کر فتح کا مونہہ دیکھو گے اور خدا تعالےٰ کے حضور میں سرخرو ہو گے اور اس کے محبوب اور پیارے ہو جاؤ گے، اور اس کے انعامات کے وارث ٹھہرو گے۔ پس اپنی کمروں کو کس لو۔ اور سینوں کو تان لو۔ اور آج ہی سے نئے انسان بن جاؤ۔ آج کے دن کی شام تم کو وہ انسان نہ دیکھے جو صبح نے دیکھا۔ اور کل کی صبح تمہیں اس حالت میں نہ پائے جس حالت میں آج کی شام نے پایا۔ ہر لحظہ اور ہر گھڑی تمہارے اندر نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا کرے اور ہر منٹ تمہارے اندر اور زیادہ ہمت پیدا کرے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ موجودہ جنگ میں قومیں کس طرح اپنی بہادری اور شجاعت دکھا رہی ہیں۔ جرمنی ہمارا دشمن ہی سہی۔ مگر ہماری گورنمنٹ اس کے متعلق کہتی ہے کہ وہ اپنے ملک کی ہر ایک چیز کام میں لے آیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر ان میں قربانی کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے " (ذکر الٰہی صفحہ ۷۴)

اس تقریر کے وقت ابھی آپ کی عمر ۲۸ سال کی پوری نہیں ہوئی تھی۔ لیکن کس قدر بوجھ تھا جو آپ نے اٹھایا ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر خدا تعالےٰ کے فضل سے آپ اس میں بڑھتے ہی چلے گئے۔

علم و عرفان سے بھرپور تقاریر کا ایک اور پُر کیف سلسلہ

اگلے روز یعنی ۲۸ دسمبر ۱۹۱۶ء کو آپ کی تقریر ذکر الٰہی پر ہوئی جو اپنے اندر ایک عجیب چمک رکھتی ہے۔ اس میں آپ نے بتایا کہ ذکر الٰہی کس کو کہتے ہیں۔ ذکر الٰہی کی طرف کمی توجہ کی وجہ کیا ہے، موجودہ صوفیاء کی حالت کا نقشہ۔ ذکر الٰہی کے وقت کونسی حالتیں ہوتی ہیں جو قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ حقیقی ذکر اللہ

کیا ہے۔ ذکر کرنے کے متعلق کن احتیاطوں کی ضرورت ہے۔ ذکر کرنے کے اوقات کیا ہیں۔ نوافل کی فضیلت کیا بیان کی گئی ہے۔ تہجد کے لئے اٹھنے کے تیرہ طریق۔ نمازیں توجہ قائم رکھنے کے ۲۲ طریق۔ اور بالآخر ذکر کے فوائد کیا ہیں۔ یہ تقریر بھی کئی گھنٹے کی تھی۔

اس کے بعد آپ کا طریق عام طور پر یہی رہا کہ آپ جلسہ سالانہ کے شروع ہوتے وقت افتتاحی تقریر فرماتے جس میں آپ جلسہ کی حاضری پر اللہ تعالےٰ کے شکر کا اظہار فرماتے اور دوستوں کو جلسہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی تاکید فرماتے اور پھر دعا کر واتے۔ یہ تقریر اور دعا نصف یا پون گھنٹہ کے قریب رہتی۔

جلسہ کے دوسرے دن ظہر اور عصر کی نماز جمع کرنے کے بعد آپ کی تقریر عمومی مسائل کے متعلق ہوتی جو سال کے دوران میں جماعت کو پیش آئے ہوتے یا ملک کے ساتھ تعلق رکھتے یہ تقریر بھی کئی کئی گھنٹے رہتی۔

جلسہ کے تیسرے دن آپ کی آخری تقریر کسی علمی مضمون کے متعلق ہوتی جو سب سے اہم ہوتی۔ اس میں بفضلہٖ تعالیٰ آپ علم و معرفت کے موتی بکھیرتے۔ علاوہ ان تقاریر کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ آپ نے حسب ذیل علمی مضامین پر تقاریر فرمائیں:۔

۱۔ **الہام**۔ کشف۔ رؤیا۔ اور خواب کی حقیقت۔ تقریر ۲۸ ردسمبر ۱۹۱۷ء جو حقیقۃ الرؤیا کے نام سے شائع ہوئی۔ مذہب کے لحاظ سے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس میں آپ نے مخالفین الہام کے دعاوی کو بھی لیا۔ اور ان کی تحقیقات کے مفید نتائج کو بھی بیان کیا۔ خوابوں کی قسمیں بھی بیان کیں۔ شیطانی اور رحمانی خواب میں فرق بتایا۔ اندھوں کی خوابوں کے متعلق بھی بیان فرمایا۔ یہ بھی بتایا کہ رؤیا۔ دیکھنا کسبی بات نہیں۔ الہام کی صداقت معلوم کرنے کے طریق بھی بیان کئے اور انبیاء کے الہامات میں متشابہات کی وجہ بتائی۔

۲۔ **عرفان الٰہی**۔ تقریر مارچ ۱۹۱۹ء۔ اس مرتبہ جلسہ سالانہ مارچ میں ہوا اور یہ علمی تقریر بجائے آخری دن کے اس کے پہلے روز کی گئی! اس میں حضور نے اس تقریر کی وجہ یہ بیان فرمائی:۔

"ہماری جماعت میں اس بات کی تڑپ پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت دلوں میں پیدا ہو جائے اور جسم کے ذرّے ذرّے میں خدا تعالےٰ کی جلوہ گری ہو۔ مگر باوجود اس سچی تڑپ کے انہیں یہ بات حاصل نہیں ہوتی اور وہ شکایت ہی کرتے رہتے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتے اور دلوں میں بہت سا وقت اسی میں صرف کرتے ہیں کہ خدا مل جائے

مگر پھر بھی ان کا مدعا حاصل نہیں ہوتا اور باوجود کوشش اور سعی کے انہیں ان کا محبوب نہیں ملتا۔ ان پر عرفان کے دروازے کھولے نہیں جاتے۔ ان کے اور محبوب کے درمیان دیوار حائل رہتی ہے

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسے ذرائع اور طریق ہیں جن سے روک دور ہو سکتی اور مدعا حاصل ہو سکتا ہے" (عرفان الٰہی صفحہ ۵، ۶)

اس کے بعد پھر آپ نے اس سوال کا جواب نہایت تفصیل کے ساتھ اور مدلل طور پر دیا ہے۔ عرفان کے معنے بھی بتائے ہیں اور اس کے حصول کے طریق بھی۔ تقریر کے ابتداء میں اس کو نہایت غور سے سننے کی تاکید فرمائی گنجائش نہیں ورنہ میں اس کے خلاصہ کو بیان کرتا۔

۳۔ **تقدیر الٰہی**:۔ تقریر جلسہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء۔ اس میں آپ نے مسئلہ قضا و قدر کی اہمیت بتائی۔ تقدیر کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کیا یہ بتایا کہ خدا تعالےٰ کے ملنے کے لئے تقدیر کا ماننا ضروری ہے مسئلہ تقدیر کے نہ سمجھنے کا نتیجہ۔ تقدیر کے متعلق مسلمانوں کے غلط عقاید کی بنیاد۔ اس خیال کی تردید کہ ہر ایک فعل خدا ہی کرتا ہے۔ اور اس بارہ میں قرآن کریم کی آیات کی تشریح۔ اس خیال کی تردید کہ خدا کچھ بھی نہیں کرتا۔ علم الٰہی اور تقدیر کا غلط تصور۔ صوفیاء کے کلام کا صحیح مطلب۔ تقدیر کی اقسام۔ تقدیر کا تعلق اسباب سے۔ تقدیر کس طرح ٹل سکتی ہے۔ مسئلہ تقدیر کے غلط سمجھنے سے نقصان۔ تقدیر پر ایمان لانے سے ترقیات کے مدارج غرضیکہ اس اہم مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر سیر کن بحث فرمائی۔ جو نہایت درجہ بصیرت افروز ہے۔

۴۔ **ملائکۃ اللہ** ۔ تقریر ۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء۔ مضمون کی اہمیت۔ ملائکہ پر ایمان لانا ایمانیات میں کیوں داخل ہے۔ کیا ملائکہ نہیں ہیں؟ زرتشتیوں، یہودیوں، اور ہندوؤں کے مذاہب میں ملائکہ کا ذکر۔ ملائکہ کی حقیقت، اس میں چودہ باتیں بیان کیں۔ ملائکہ کے کام۔ ان کے سترہ کام بیان کئے۔ کیا انسان ملائکہ کو نفع پہنچا سکتا ہے۔ ملائکہ کے وجود کا ثبوت چار شہادتوں سے۔ ملائکہ کی ضرورت، ملائکہ کے وجود پر اعتراضات کے جواب، ملائکہ پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ ملائکہ اور ان کا تعلق کتنے اقسام کا ہوتا ہے۔ ملک افضل ہے یا انسان؟ شیطان سے کیا مراد ہے۔ لمہ ملکی اور لمہ شیطانی کا موازنہ کرنے کا طریق۔ ملائکہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے دس ذرائع۔ ان سب پہلوؤں پر اس تقریر میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

۵۔ **ہستی باری تعالےٰ** ۔ تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۲۱ء۔ آپ نے اس کے شروع کرتے وقت فرمایا:۔

"آج میں ایک ایسے مضمون کے متعلق تقریر کرنی چاہتا ہوں جو سب مضامین کا جامع ہے اور سب مضامین اس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور سب اس کے تابع ہیں اور یہ ان کا متبوع ہے میں اس وقت تک جس قدر مضامین بیان کرتا رہا ہوں وہ سب اس مضمون کے اجزاء اور

اس کی شاخیں تھیں اور آئندہ بھی مجھے جو کچھ توفیق ملے اس کی تشریح ہو گی اس مضمون کو خواہ کس قدر بھی سنایا جائے ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ایک غیر محدود ہستی سے تعلق رکھتا ہے اور اس وجہ سے غیر محدود ہو گیا ہے۔ آپ لوگ جس قدر بھی اس مضمون پر غور کریں گے۔ اس کے مطالب کو غیر محدود پائیں گے اور نئے سے نئے مطالب آپ پر ظاہر ہوں گے۔

سب انبیاء نے اس مضمون کو بیان کیا ہے مگر بالآخر یہی کہا کہ لو مضمون بیچ میں رہ گیا۔ اور ہم سب جانتے ہیں غرض سب انبیاء اور اولیاء یہی کہتے آئے ہیں کہتے رہے ہیں اور جب تک یہ دنیا رہے گی کہتی رہے گی اور مرنے کے بعد خلا میں بھی یہی مضمون ہو گا۔ یہ مضمون ہے ذاتِ باری کا"

اس کے بعد آپ نے یہ مضمون بیان فرمایا اور اس کے سینکڑوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ مثلاً اس مضمون کی ضرورت۔ خدا کے انکار کی وجہ۔ خدا کے ماننے کا فائدہ۔ یورپین محققین کے اس بارہ میں جواب کی کمزوری۔ لوگوں میں خدا کا خیال کس طرح پیدا ہوا۔ افریقہ کے قدیمی باشندوں۔ بابلیوں۔ دیگر اقوام کا ذکر۔ اس سوال کا جواب کہ اگر خدا ہے تو دکھاؤ۔ ہستی باری تعالیٰ کے دلائل۔ دنیا کس طرح پیدا ہوئی۔ صفاتِ الٰہی کی تفصیل اور ان پر اعتراضات کے جواب۔ نیکی کیا ہے خدا کی معرفت کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ شرک کیا چیز ہے۔ شرک کی دس قسمیں۔ شرک کا رد۔ دوسرے سے دعا کرانا شرک نہیں۔ لیکن مردہ سے دعا کرانا شرک ہے اس کی وجہ۔ کیا شرک بخشا نہیں جائے گا شرک کی سخت ناپسندیدگی۔ اس کی وجوہات۔ نبیوں کی اطاعت شرک نہیں۔ انسان کی پیدائش کی غرض، صفاتِ الٰہیہ کیا ہیں۔ ان کی اقسام۔ وحدتِ وجود کا مسئلہ اور اس کا رد۔ وحدت شہود کا عقیدہ عدم سے وجود کس طرح ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بعض صفات پر اعتراضات اور ان کے جواب۔ دنیا میں تکالیف کیوں آتی ہیں۔ اس کی آٹھ وجوہات۔ اگر خدا قادرِ مطلق ہے تو اتنی دیر میں کیوں پیدا کرتا ہے کیا خدا کی بعض صفات بعض سے افضل ہیں یا کوئی ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ خدا کی صفات کس طرح جاری ہوتی ہیں۔ خدا کی صفات کے دو حلقے۔ کیا خدا سے تعلق ہو سکتا ہے۔ رویتِ الٰہی سے کیا مراد ہے۔ حضرت موسیٰ والا واقعہ۔ رویت کے مدارج۔ انسانی ترقی غیر محدود ہے۔ رویتِ الٰہی کے حاصل کرنے کا طریق اور اس کے فوائد۔ ہم خدا سے کس حد تک تعلق رکھ سکتے ہیں۔ موت کے ذریعہ ترقی۔ انسان دنیا میں خدا سے کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ صفاتِ الٰہی کی معرفت رکھنے والے کی حالت کیا ہوتی ہے۔ لقائے الٰہی۔ لقا یا خدا تک پہنچنے کا طریق۔ خدا کی بندہ کی طرف آنے کی منزلیں۔ ان دقیق در دقیق باتوں کی اس مضمون میں توضیح کی گئی ہے۔ یہ تقریر کم و بیش ایک لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے۔

۶۔ **نجات**:۔ تقریر ۲۸۔ دسمبر ۱۹۲۲ء۔ اس مضمون کے بھی سارے امکانی حصے زیر بحث لائے مثلاً نجات کیا ہے۔ اس کی اقسام کتنی ہیں۔ نجات کا خیال تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ بدھ۔ جینی۔ یہودی۔

مسیحی۔ زرتشتی، شنٹو ازم والے اور جدید فلسفۂ یورپ کے حامی) ان سب کے نزدیک نجات کیا ہے۔ اسلام نجات کس چیز کا نام رکھتا ہے۔ کیا نجات ممکن ہے۔ کیا دنیوی عذاب سے نجات مل سکتی ہے۔ مصائب انعام کس طرح ہو سکتے ہیں۔ ابتلاء اور عذاب میں فرق۔ طبعی تکالیف سے نجات ہو سکتی ہے یا نہیں۔ کیا ضمیر کے عذاب سے نجات ہو سکتی ہے۔ بداعمال سے نجات۔ میلان گناہ سے نجات۔ گناہ کے طبعی نتیجہ سے نجات۔ گناہ کے شرعی اثر سے نجات۔ حقیقی نجات۔ نجات روحانی ہے یا جسمانی۔ قبر میں انسان کی کیا حالت ہو گی۔ نجات دائمی ہے یا عارضی۔ محدود اعمال کا بدلہ غیر محدود کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا نجات سب کا حق ہے یا بعض کا۔ کافر کی نجات نجات حاصل کرنے والے کی گیارہ علامتیں۔ نجات سے دور جانے والے کی علامتیں۔ نجات یافتہ کی علامتیں۔ ربانی اور شیطانی الہام میں فرق۔ خدا تعالیٰ کی چار فعلی شہادتیں۔ مدارج کے لحاظ سے نجات کی قسمیں۔ تناسخ کے ماننے کی وجوہیں بیان کی جاتی ہیں اور ان کے جواب وغیرہ۔

۷۔ **منہاج الطالبین**:۔ تقریر ۲۷، ۲۸۔ دسمبر ۱۹۲۵ء۔ اس میں آپ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جن پر عمل کر کے انسان گناہوں سے پاک ہو جائے اور نفس میں نیکیاں پیدا ہو جائیں۔ اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں:۔

"عام طور پر اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ نیکی کرو نیکی کرو اور گناہوں سے بچو۔ لیکن جیسا کہ ہر شخص کے تجربہ میں آیا ہے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم کو پڑھا۔ احادیث کو پڑھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو پڑھا۔ اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کی۔ مگر ہم عملی طور پر نہیں بچ سکے۔ نیکی کرنے کے لئے ہم نے کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اب بتاؤ ہمارا کیا علاج ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس نقطہ سے بحث کی جائے۔ کہ کس طرح انسان کی اس کمزوری کو دور کیا جائے کہ وہ باوجود ارادہ اور کوشش کے گناہوں سے بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا......

اس مضمون کے جن حصوں کا تعلق عرفان الٰہی اور مسئلہ نجات سے ہے ان میں سے بعض کو تو چھوڑ دوں گا اور جن کا تسلسل مضمون کے لئے بیان کرنا ضروری ہو گا۔ ان کو مختصراً بیان کروں گا۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ پہلے اس مضمون کے علمی پہلو بیان ہوئے۔ اب میں عملی پہلو بیان کروں گا" (منہاج الطالبین ص۲۲، ۲۳)

اس مضمون میں بھی آپ نے نہایت اہم مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً انسان کامل کون ہوتا ہے۔ اخلاق کی تعریف کیا ہے۔ اخلاق اور روحانیت میں کیا فرق ہے۔ اخلاق حسنہ کیا ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق مختلف خیالوں کا ذکر۔ اخلاق کا منبع کیا ہے۔ اس کی باریک تفصیل۔ اعلیٰ اخلاق کا خیال کیوں رکھا جائے۔ با اخلاق کسے کہتے ہیں۔ کیا اخلاق کی اصلاح ممکن ہے۔ دنیا میں اکثر بدی کیوں ہے۔ گناہ کیا ہے۔ نیکی کیا ہے۔ گناہ اور نیکی کی اقسام۔

گناہ کے موجبات کیا ہیں۔ گناہ آلود حالتیں کون کون سی ہیں۔ اولاد کو گناہ سے بچانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ بچوں کی تربیت کے طریق۔ بدیوں کی اقسام اور ان کی تشریح۔ نیکیوں کی اقسام اور ان کی تشریح۔ جو لوگ بدیوں کا علم ہو کر بھی انہیں نہیں چھوڑ سکتے ان کا علاج۔ اس کی تفصیل۔

اس سارے مضمون کو ایسے رنگ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص اس سے نفع اٹھا سکے۔

فضائل القرآن!

۸۔ فضائل القرآن۔ آپ نے اس موضوع پر چھ تقاریر فرمائیں۔ یہ سلسلہ ۱۹۲۸ء میں شروع ہوا اور ۱۹۳۶ء میں ختم ہوا۔

پہلی تقریر ۲۸۔ دسمبر ۱۹۲۸ء کو فرمائی جس میں قرآن کریم کی سابقہ الہامی کتب پر فضیلت اور مستشرقین یورپ کے اعتراضات کا ردّ بیان فرمایا۔ اس میں آپ نے قرآنی مطالب پر غور کرنے کے لئے ۴۴ اصولی باتیں بھی بیان فرمائیں

دوسری تقریر ۲۹۔ دسمبر ۱۹۲۹ء کو فرمائی جس میں قرآن کریم کی کتب سابقہ پر افضلیت کے عقلی اور نقلی شواہد بیان کئے۔ اس میں قرآنی فضیلت کے ۲۶ وجود دیئے مثلاً منبع کی افضلیت۔ ذاتی قابلیت کے لحاظ سے فضیلت۔ نتائج کے لحاظ سے فضیلت، شدت فائدہ کے لحاظ سے فضیلت۔ کثرتِ فوائد کے لحاظ سے فضیلت۔ وسعت نفع کے لحاظ سے فضیلت۔ میعادِ نفع کے لحاظ سے فضیلت۔ کھوٹ سے مبّرا ہونے کے لحاظ سے فضیلت۔ یقینی فوائد کے لحاظ سے فضیلت۔ ظاہری حسن کے لحاظ سے فضیلت ضروری امور کو نقصان نہ پہنچانے کے لحاظ سے فضیلت۔ فوائد کے سہل الحصول ہونے کے لحاظ سے فضیلت۔ ضروریات پورا کرنے میں یکتا ہونے کے لحاظ سے فضیلت، دعوت عام کے لحاظ سے فضیلت۔ علاج الامراض کے لحاظ سے فضیلت۔ دوسری کتب سے مستغنی کرنے کے لحاظ سے افضلیت صحیح علوم کی طرف رہنمائی کرنے کے لحاظ سے فضیلت وغیرہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جن قرآنی علوم اور معارف کا انکشاف ہوا ان کی کسی قدر تفصیل۔ موت کا فلسفہ۔ مذہب کی پانچ ضرورتیں۔ انسان کی روحانی طاقتیں ویسئلونک عن الروح کی تفسیر۔ سپر چولزم ہپناٹزم والوں کو چیلنج فطرت انسانی کی روحانی طاقتوں کا اظہار۔ کلام الہٰی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ عالم معاد کے متعلق اسلام کی جامع تعلیم

تیسری تقریر ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کو فرمائی جس میں قرآن کریم کے متعلق بتایا کہ وہ ہر خوبی اور وصف میں یکتا کتاب ہے۔ اور صدقہ و خیرات اور مرد و عورت کے تعلقات کے متعلق اسلام کی جامع تعلیم بیان کی۔ اس میں ایک سائل کے سوال کا جواب بھی ضمناً دیا کہ مسلمان محکوم ہو سکتا ہے یا نہیں

مزید غور پر ۲۶ کی بجائے ۵۰ وجوہ فضیلت نظر آئیں۔ صدقہ کے متعلق انجیل کی تعلیم۔ تورات کی تعلیم۔ ویدوں کی تعلیم اخلاقی معلمین کہلانے والوں کی تعلیم۔ صدقہ کے مختلف پہلوؤں پر اسلام کی روشنی۔ صدقہ کی مقدار۔ اسراف اور بخل سے بچنے کی نصیحت۔ صدقہ دینے کا صحیح طریق۔ صدقہ کی مختلف اقسام وغیرہ۔ عورت اور مرد کے تعلقات پر بحث۔ حوّا کی پیدائش آدم کی پسلی سے نہیں ہوئی۔ عورت کو کھیتی قرار دینے کی حکمت۔ تکمیل روحانیت کا زوجیت سے تعلق۔ وغیرہ۔

چوتھی تقریر ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۱ء کو فرمائی۔ اس میں ثابت کیا کہ تمام کتب الہامیہ میں سے صرف قرآن کریم کو ہی کلام اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وحی الٰہی کی مختلف اقسام۔ پہلی کتب میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خدا تعالےٰ کا قرب۔ مخالفین اسلام کے اعتراضات کا رد۔ نو اعتراضات کے جواب دیئے گئے۔

پانچویں تقریر ۲۸ ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ اس میں انبیاء سابقین کی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق پیشگوئیاں اور قرآن کریم کی آٹھ اصولی اصلاحات بیان فرمائیں۔ ہستی باری تعالےٰ کے متعلق اصلاح۔ دہریت کو قرآن کریم نے کس طرح رد کیا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق سابقہ کتب میں پیشگوئیاں۔ اس کی تفصیل۔ قرآن کریم کی دوسری اصولی اصلاح خدا تعالےٰ کی صفات کے متعلق ہے تیسری اصلاح توحید کے متعلق ہے چوتھی اصلاح خدا تعالےٰ اور بندے کے تعلق کے متعلق ہے پانچویں اصلاح خدا تعالےٰ کی خالقیت کے متعلق ہے چھٹی اس کی مالکیت کے متعلق ہے۔ ساتویں اس کی ربوبیت عالمین کے متعلق ہے۔ اور آٹھویں اس کی صفت حلیم کے متعلق ہے

اس سلسلہ میں چھٹی اور آخری تقریر آپ نے ۲۸ ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو فرمائی اس میں ترتیب قرآن کا مسئلہ اور استعارات کی حقیقت بیان فرمائی اور استعارات اور تشبیہات سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالہ کا طریق بتایا۔ اس میں جن باتوں پر روشنی ڈالی گئی ان میں سے بعض یہ ہیں :-
قرآن کریم کے سوا اور کسی کتاب کو افضل الکتب ہونے کا دعویٰ نہیں۔ استعارات کو حقیقت قرار دینے کا نتیجہ۔ خیط ابیض۔ اور خیط اسود کا غلط مفہوم۔ استعارات کو نہ سمجھنے والے طبقہ کی ذہنیت۔ الہامی کتب کی ذاتی ترتیب میں حکمتیں۔ قرآنی علوم سے فائدہ اٹھانے کا اصول۔ الہامی کتب کے بارہ میں لوگوں کی مشکلات۔ عیسائیوں کی مذہبی کیفیت۔ استعارات کی ضرورت۔ استعاروں کے بغیر بعض مضامین ادا ہی نہیں ہو سکتے۔ غلط فہمیاں دور کرنے کے ذرائع۔ قرآن کریم اپنے استعاروں کو آپ حل کرتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کا معجزہ احیاء موتیٰ۔ مجاز اور استعارہ کے بارہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ قرآنی استعارات

کی ایک مثال۔ سورۃ النمل کی بعض آیات۔ تسخیر جبال کا مفہوم۔ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کے معنے۔ جنوں کا ذکر۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانوں کی طرف تھی نہ کہ جنوں کی طرف۔ جنوں کے انسان ہونے پر بعض دلائل۔ بنی نوع کے علاوہ دوسری مخلوق شریعت پر ایمان لانے کی پابند نہیں۔ متکبر قوموں اور امراء کو بھی جن کہا جاتا ہے۔ نملہ سے مراد۔ وادی النمل کی تحقیق۔ خلق طیر کا مسئلہ۔ ہُدہُد کوئی پرندہ نہیں بلکہ انسان تھا۔ مومنوں کو طیر کیوں کہا گیا ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

"غرض قرآن کریم کو وہ عظمت حاصل ہے جو دنیا کی اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ اور اگر کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کی مذہبی کتاب بھی اس فضیلت کی حامل ہے تو میں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی وید کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی تورات کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی انجیل کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے اور قرآن کریم کا کوئی ایسا استعارہ میرے سامنے رکھ دے جس کو میں بھی استعارہ سمجھوں پھر میں اس کا حل قرآن کریم سے ہی پیش نہ کر دوں تو وہ بے شک مجھے اس دعویٰ میں جھوٹا سمجھے لیکن اگر پیش کر دوں تو اسے ماننا پڑے گا کہ واقعہ میں قرآن کریم کے سوا دنیا کی اور کوئی کتاب اس خصوصیت کی حامل نہیں۔

اس وقت تک میں نے قرآن کریم کی فضیلت کے متعلق آٹھ دس باتیں ہی بیان کی ہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ تین سو بلکہ اس سے بھی زیادہ دلائل ایسے دیئے جا سکتے ہیں جن سے قرآن کریم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور جن کے مقابلہ میں عام انسانی کتابیں تو الگ رہیں الہامی کتابیں بھی نہیں ٹھہر سکتیں" (فضائل القرآن ص۴۲۹، ص۴۳۰)

اس کے آخر میں آپ نے عجیب الفاظ میں دعا مانگی ہے۔ افسوس ہے میں قلت گنجائش کے باعث اسے نقل نہیں کر سکا لیکن پڑھنا ضرور چاہیئے تاکہ آپ کی نگاہ اور آپ کے قلب کی وسعت کا اندازہ ہو سکے۔

انقلابِ حقیقی

۹۔ انقلابِ حقیقی تقریر ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۷ء۔ اس کے متعلق آپ نے فرمایا:۔

"آج جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ عجیب نوعیت کا ہے یعنی ایسا ہے کہ اگر چاہوں تو ایک فقرہ کہہ کر بیٹھ جاؤں اور مضمون ختم ہو جائے اور اگر چاہوں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو کئی دن بارہ بارہ گھنٹے تقریریں ہوتی رہیں مگر یہ مضمون ختم نہ ہو۔ سو وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں ما آخری اور وسطی طریق کو ہی اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ واللہ الموفق"

پھر اس مضمون کو شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

"انقلاب کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ موجودہ نظام کو کسی اصلاح یا تبدیلی کے ساتھ قبول نہیں کیا

جائے گا۔ بلکہ اس نظام کو کلّی طور پر پھینک دیا جائے گا۔ توڑ دیا جائے گا۔ تباہ کر دیا جائیگا اور اس کی جگہ ایک نیا نظام قائم کیا جائے گا۔

جب یہ انقلاب دینی انقلاب ہو تو اسلامی اصطلاح میں اسے قیامت بھی کہتے ہیں اور اس کا نام خلق السموات والارض بھی ہے۔ یعنی نئی زمین اور نیا آسمان بنا۔ اور ایک نام اس کا السَّاعَۃُ بھی ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم نے روحانی انقلاب کو کبھی قیامت کہا ہے کبھی السَّاعَۃُ کے نام سے یاد کیا ہے اور کبھی نئی زمین اور نیا آسمان کے پیدا کیے جانے کے الفاظ سے اسکی حقیقت کو ظاہر کیا ہے۔

دنیا میں جس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں یا کامیاب تحریکیں ہوئی ہیں ساری اسی رنگ میں ہوئی ہیں اور کوئی عالمگیر تحریک اور دیر تک رہنے والی تحریک ایسی نہیں جس میں دنیا کے لئے پیغام جدید نہ ہو۔ اور جس میں انقلاب نہ ہو۔

ارتقائی تحریکات عظیم الشان تحریکوں میں سے نہیں ہوتیں۔ عظیم الشان تحریکیں جب بھی دنیا میں ہوئی ہیں انقلاب کے ذریعہ سے ہوئی ہیں۔ اور اگر اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم کانگریس سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انقلاب زندہ باد۔ لیکن اس سے ہماری مراد اور ہوگی۔ ان کی مراد اس لفظ سے اور ہوتی ہے۔ اگر دنیوی فتوحات کو دیکھیں تو فتوحات دنیوی کے لحاظ سے بھی وہی حکومتیں دنیا میں دیر تک رہی ہیں جن میں کوئی نہ کوئی پیغام جدید اور انقلاب تھا یعنی پہلے نظام سے جداگانہ حیثیت رکھتی تھیں اور نئے اصول پر قائم ہوئی تھیں۔ اس قسم کی تحریکیں دنیا میں چند ہی گزری ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک تحریک جو ہندوستان میں اٹھی ایرین تحریک کہلاتی ہے یعنی آریوں کی تحریک۔ یہ تحریک صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ یورپ پر بھی اس کا اثر تھا دوسری تحریک جو مغرب میں اٹھی رومن تحریک تھی تیسری تحریک جو وسط ایشیا اور چین میں پیدا ہوئی اس کو نام میں ایرانی تحریک رکھتا ہوں چوتھی تحریک جو مغربی ایشیا اور افریقہ میں پیدا ہوئی اس کا نام میں بابلی تحریک رکھتا ہوں اور پانچویں تحریک جو موجودہ زمانہ میں نہایت ہی عالمگیر ہے وہ ہے جسے مغربی تحریک کہتے ہیں۔

دنیا کی معلومہ تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی پانچ تحریکیں مادیات کو مدّنظر رکھتے ہوئے نہایت مہتم بالشان اور عالمگیر تحریکیں گزری ہیں۔ . . . . . . ان پانچوں تحریکوں کے پیچھے

ایک فلسفہ تھا اور ایک نئی تہذیب تھی۔" (انقلاب حقیقی ص ۹۵ تا ۱۰۱)

آگے آپ نے بتایا کہ آرین تحریک کا پیغام جدید نسلی امتیاز تھا۔ رومن تہذیب کی بنیاد قانون اور حقوق انسانی تھے۔ ایرانی تہذیب کا پیغام اخلاق و سیاست تھا۔ بابلی تہذیب کی بنیاد علم ہندسہ و ہیئت تھی۔ اور مغربی تحریک کا پیغام مادیت اور قوم پرستی ہے۔ پھر آپ نے اس کی کسی قدر تفصیل بیان فرمائی۔ پھر بتایا کہ مذہبی دنیا میں بھی حقیقی کامیابی انقلاب سے ہوتی ہے۔ پھر انبیاء کا مقصد، مذہبی انقلابات کا طریق۔ مذہبی نظام کی طرف عمل پر روشنی ڈالی۔ پھر انشقاق قمر۔ لولاک لما خلقت الافلاک اور قیامت سے مراد بتائی۔ پھر بتایا کہ مذہبی تحریکات

کے بڑے بڑے دور کون سے ہیں۔ اس میں یہ پہلو آئے:-

دورِ آدم کا پیغام۔ انسانی ترقی میں ارتقاء کا اصول۔ دورِ اول کی حقیقت۔ تخلیق آدم پر فرشتوں کا سوال۔ تمدن کی حقیقت۔ تمدن کے قیام پر اعتراضات، تمدنی حکومت کے فوائد۔ دورِ ثانی میں نوحؑ کی تحریک۔ گناہ کی ترقی کس طرح ہوئی۔ دورِ ثانی کا پیغام نزولِ شریعت۔ تیسرا دور ابراہیمی تحریک۔ اس کا پیغام۔ ابراہیمؑ کے ذریعہ تکمیلِ انسانیت۔ تمدن کامل کی بنیاد ابراہیمؑ سے پڑی۔ موسوی دور اور اس کا پیغام۔ موسوی دور کا پہلا انقلاب شریعت کاملہ۔ دوسرا انقلاب صفات الٰہیہ کی تفصیلات۔ تیسرا انقلاب بالمشافہ وحی الٰہی۔ عیسوی دور کا پیغام۔ احیائے شریعتِ موسوی۔ دورِ محمدی کا پیغام۔ مذہب کی عمارت کی تکمیل۔ جامع کمالاتِ انبیاء محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موسوی کمالات، عیسوی کمالات، اجامع جمیع کمالات رسل، آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے معنے۔ نعمت سے کیا مراد ہے۔ سلطنت کا وجود بعض مذاہب کے لئے ضروری ہے۔ اسلام کا انقلاب عظیم، اسلامی تعلیم کے افضل ہونے کے دلائل۔ اس کی تفصیل۔ مغربیت کے اصول۔ ساتویں دور کا انقلاب احیائے تعلیم مصطفویؐ۔ بعثت ثانیہ کے کام۔ غلبۂ اسلام کے ذرائع۔ انقلاب حقیقی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات۔ عقائد کے میدان میں جماعت احمدیہ کی فتح۔ غلبۂ احمدیت اور عمل کا میدان۔ کامل تنظیم اور عملی تنظیم۔ انقلاب حقیقی کے قیام میں ہمارا کام۔ یہاں فرماتے ہیں:-

"پس سوچو اور غور کرو کہ ہم نے اس وقت تک کیا کیا ہے۔ ہم نے کچھ مسئلے سمجھ لئے ہیں کچھ چندے دے دیتے ہیں اور کچھ ذاتی اصلاح کر لیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ غیر احمدیوں میں اور ہم میں یہ کوئی فرق نکل سکتا ہے تو یہ کہ غیر احمدیوں میں زیادہ لوگ جھوٹ بولنے والے ہوتے ہیں۔ مگر ہم میں کم لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ان میں سے اکثر تارک نماز ہوتے ہیں اور ہم میں سے اکثر نمازیں پڑھنے والے ہوتے ہیں لیکن ایک حصہ ہم میں بھی تارکِ نماز لوگوں کا ہوتا ہے۔ پھر وہ تبلیغ نہیں کرتے اور ہم میں سے اکثر تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ قرآن بہت کم جانتے ہیں اور ہماری جماعت کے لوگ نسبتاً

زیادہ تر آن جانتے ہیں۔ لیکن شکل وہی ہے۔ طرز وہی ہے۔ چیز وہی ہے۔ پس آسمان کس طرح بدل گیا۔ اور زمین کس طرح بدل گئی۔ بلکہ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ابھی تک ہم پرانے نظام سے نفرت بھی پیدا نہیں کر سکے۔ ابھی تک ہمارے بعض نوجوان مغربیت کے دلدادہ ہیں۔ وہ مغربی نظیشن کی تقلید میں اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب کو فراموش کئے ہوئے ہیں اور بجائے اس کے کہ ہم دشمن کو مٹا دیتے۔ اس کی تہذیب کو پارہ پارہ کر دیتے اور اس کے تمدن کی بجائے اسلامی تمدن قائم کر دیتے اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہمارے فلاں آدمی کو جو دشمن چھین کر لے گیا ہے اسے ہم واپس لائیں۔ لیکن جونہی اسے واپس لاتے ہیں وہ ہمارے دس آدمی اور چھین کر لے جاتا ہے اور ہماری تمام کوششیں اور تمام سعی پھر اسی کام میں صرف ہو جاتی ہے کہ انہیں دشمن سے واپس لائیں۔ پس بجائے دشمن کے تمدن کو مٹانے کے اپنے آدمیوں کو چھڑانے میں ہی ہم لگے رہتے ہیں۔

پس ضرورت ہے کہ ہم اس نہایت ہی اہم امر کی طرف توجہ کریں اور دنیا کے تمدن اور دنیا کی تہذیب کو بدل کر اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب اس کی جگہ قائم کریں۔" (انقلاب حقیقی صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳)

اس کے بعد آپ نے تمدن کے متعلق اسلامی تعلیم اور اس کے قیام کے ذرائع بیان فرمائے ہیں۔ آپ اس زورِ تقریر کو۔ اسکی فصاحت کو۔ اور اس کے اندر انوار الٰہی کی چمک کو دیکھیں۔ یہ موجودہ زمانہ میں کسی اور جگہ نظر نہیں آئے گی۔

سیر روحانی

۱۔ **سیر روحانی**:۔ آپ کی یہ تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۳۸ء میں شروع ہوئی اور اس کے بعد آپ نے اسے جلسہ ۱۹۴۰ء، ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۸ء میں جاری رکھ کر ختم کیا۔ یہ ساری تقاریر تین جلدوں میں چھپ چکی ہیں اور کم و بیش ساڑھے چار لاکھ لفظوں پر مشتمل ہیں۔ اس تقریر کا باعث یہ ہوا کہ آپ بحالیٔ صحت کے لئے حیدرآباد دکن، آگرہ۔ دہلی وغیرہ تشریف لے گئے تو وہاں کے تاریخی مقامات دیکھے تغلق آباد کے قلعہ پر چڑھے تو وہاں سے ساری دہلی نظر آتی تھی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"یہاں سے ساری دہلی نظر آتی تھی۔ اس کا قطب مینار۔ اس کا پرانا قلعہ۔ نئی اور پرانی دہلی اور ہزاروں عمارات اور کھنڈر چاروں طرف سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے تھے اور قلعہ ان کی طرف گھور رہا تھا میں اس جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا اور پہلے تو اس عبرتناک نظارہ

پر غور کرتا رہا کہ یہ بلند ترین عمارت جو تمام دہلی پر بطور پہرہ دار کھڑی ہے۔ اس کے بنانے والے کہاں چلے گئے۔ وہ کس قدر کم اولوالعزم۔ کس قدر باہمت اور کس قدر طاقت وقوت رکھنے والے بادشاہ تھے جنہوں نے ایسی عظیم الشان یادگاریں قائم کیں۔ وہ کس شان کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور کس شان کے ساتھ یہاں رہے مگر آج ان کی اولادوں کا کیا حال ہے۔ کوئی ان میں سے بڑھئی ہے۔ کوئی لوہار ہے کوئی معمار ہے۔ کوئی موچی ہے اور کوئی میراثی ہے۔

میں انہیں خیالات میں تھا کہ میرے خیالات میرے قابو سے باہر نکل گئے اور میں کہیں کا کہیں جا پہنچا۔ سب عجائبات جو سفر میں میں نے دیکھے تھے میری آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے۔ دہلی کا یہ وسیع نظارہ جو میری آنکھوں کے سامنے تھا غائب ہوگیا۔ اور آگرہ اور حیدرآباد اور سمندر کے نظارے ایک ایک کر کے سامنے سے گزرنے لگے۔ آخر وہ سب ایک اور نظارہ کی طرف اشارہ کر کے خود غائب ہو گئے۔ میں اس محویت کے عالم میں کھڑا تھا اور کھڑا رہا اور میرے ساتھی حیران تھے کہ اس کو کیا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مجھے اپنے پیچھے سے اپنی لڑکی کی آواز آئی کہ ابا جان دیر ہو گئی ہے۔ میں اس آواز کو سن کر پھر واپس اسی مادی دنیا میں آ گیا۔ مگر میرا دل اس وقت رقت انگیز جذبات سے پُر تھا نہیں وہ خون ہو رہا تھا اور خون کے قطرے اس سے ٹپک رہے تھے۔ مگر اس زخم میں ایک لذت بھی تھی۔ اور وہ غم سرور سے ملا ہوا تھا۔ میں نے افسوس سے اس دنیا کو دیکھا اور کہا کہ میں نے پالیا۔ میں نے پالیا۔ جب میں نے کہا کہ میں نے پالیا۔ میں نے پالیا۔ تو اس وقت میری وہی کیفیت تھی جس طرح آج سے دو ہزار سال پہلے گیا کے پاس ایک بانس کے درخت کے نیچے گوتم بدھ کی تھی جب کہ وہ خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کا وصال حاصل کرنے کے لئے بیٹھا۔ اور وہ بیٹھا رہا اور بیٹھا رہا یہاں تک کہ بدھ مذہب کی روایات میں لکھا ہے کہ بانس کا درخت اس کے نیچے سے نکلا اور سر کے پار ہو گیا۔ مگر محویت کی وجہ سے اس کو اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ یہ تو ایک واقعہ ہے جو بعد میں لوگوں نے بنا لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ بدھ ایک بانس کے درخت کے نیچے بیٹھا اور وہ دنیا کے راز سوچنے لگا۔ یہاں تک کہ خدا نے اس پر یہ راز کھول دیا۔ تب گوتم بدھ نے یک دم اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا میں نے پالیا میں نے پالیا۔ میری کیفیت بھی اس وقت یہی تھی جب میں اس مادی دنیا کی طرف واپس لوٹا تو بے اختیار میں نے کہا میں نے پالیا۔ میں نے پالیا۔

اُس وقت میرے پیچھے میری لڑکی امۃ القیوم چلی آرہی تھی۔ اس نے کہا اباجان آپ نے کیا پالیا میں نے کہا بہت کچھ پالیا مگر میں اس وقت تم کو نہیں بتا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں جلسہ سالانہ پر بتاؤں گا کہ میں نے کیا پایا۔ اس وقت تم بھی سُن لینا۔ سو آج میں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ میں نے وہاں کیا پایا اور وہ کیا تھا جسے میری اندرونی آنکھ نے دیکھا۔"

(سیر روحانی ص۵، ص۶، ص۷)

اس تقریر کے مضامین بہت وسیع ہیں۔ اور ان کا چھوٹا سا خلاصہ دینے کی بھی گنجائش نہیں۔ میں صرف اس کے آخری چند الفاظ نقل کرتا ہوں تاکہ اس کی قوت اور اس کے زور کا پتہ لگ سکے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو۔ ہاں تم کو خدا تعالےٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اٹھیں تاکہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالےٰ زمین پر آجائے اور پھر خدا تعالےٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے۔ اسی غرض کے لئے میں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اسی غرض کے لئے میں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہؐ کا تخت آج مسیحؑ نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیحؑ سے چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول اللہؐ کو دینا ہے۔ اور محمد رسول اللہؐ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالےٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سنو! اور میری بات کے پیچھے چلو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ یہ میری آواز نہیں ہے۔ میں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور تم دنیا میں بھی عزت پاؤ۔ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔"

(سیر روحانی جلد ۳ ص۲۹۶، ص۲۹۷)

تعلق باللہ

(۱) **تعلق باللہ**۔ تقریر ۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء۔ اس میں آپ نے ان حصوں کی وضاحت فرمائی:۔

تعلق باللہ کا مفہوم ۔ وُدّ ۔ حُبّ اور خُلّۃ کے معنے۔ محبت کے مختلف درجات۔ ان کی تفصیل۔ محبت کی دو اقسام کسبی اور وہبی۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دس قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا مختال یعنی وہ جو اپنی اتنی بڑی شان سمجھے کہ گویا سب مصائب سے محفوظ ہے۔ فَخُور یعنی یہ خیال کرنے والا کہ میرے اندر ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو دوسروں میں نہیں۔ معتد یعنی جس کو اپنے کاموں میں حد سے گزر جانے کی عادت ہو۔ خوّان۔ یعنی طبیعت میں خیانت کا مادہ رکھتا ہو۔ اثیم یعنی گناہ کی طرف کمال رغبت رکھتا ہو۔ فَرِحْ یعنی عارضی لذات پر کمال لذت محسوس کرتا ہو۔ مفسد یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرنے والا۔ ناشکرا۔ مُسْرِف یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے بندوں پر خرچ کرنا پسند نہیں کرتا اور اپنے نفس پر بلاوجہ خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔ ظالم۔ جو شخص ظلم کرتا ہے اسے درحقیقت اپنی ذات کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

محبت الٰہی پیدا کرنے کے دس ذرائع۔ صفات الٰہی کا ورد کرنا جسے ذکر کہتے ہیں۔ صفات الٰہیہ پر غور کرنا جسے صوفیاء کی اصطلاح میں فکر کہا جاتا ہے۔ مخلوق کی خیر خواہی اور اس سے محبت کرنا۔ گناہ پر ندامت کی عادت ڈالنا۔ یہ یقین پیدا کرنا کہ دعا کے بغیر میرے کام نہیں ہو سکتے۔ اپنے کاموں کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دینا یعنی تدبیروں کے باوجود یہ یقین کرے کہ نتیجہ اللہ تعالیٰ نے ہی نکالنا ہے۔ انصاف کو قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ ہر امر میں خدا تعالیٰ کو ڈھال بنانے کی کوشش کرنا۔ ہم جنس بننا۔ یعنی صفات الٰہیہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ فطرت کا مطالعہ اور محبت کے طریقوں پر غور کرنا اور ان پر عمل کرنا۔

ماں باپ کی اپنی اولاد سے محبت کی پانچ وجوہ یعنی خالقیت۔ وحدت جسمانی۔ اپنائیت۔ بقائے ذات کی خواہش اور مظہریت۔ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک موجب محبت کا احسان ہوتا ہے ایک حسن ہوتا ہے ایک اقتضائے حاجات و رفع شہوات۔ ایک رفاقت و مصاحبت۔ ایک موجب مجہولوں کا اجتماع۔ ایک طویل تعلق اور آئندہ ترقیات کی وابستگی کا احساس۔ ایک سکون کا حاصل ہونا۔ ایک تحریک و تحریص۔ ایک طریقہ محبت الٰہی کے حصول کا دعا ہے۔ اس طرح یہ دس موجبات یا طریقے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے آپ نے بیان فرمائے۔

یہ باتیں انسان کو انتہائی نفع دینے والی اور اس کی زندگی کا مقصد پورا کرنے والی ہیں۔

جلسہ سالانہ کے علاوہ دیگر اہم تقاریر!

ان علمی تقاریر کے علاوہ بھی آپ نے سالانہ جلسوں پر بہت عمدہ عمدہ اور اخلاق اور روحانی حالت کو درست کرنے والی تقاریر فرمائی ہیں جن کی تفصیل یہاں نہیں دی جاسکتی۔ بعض بڑی بڑی تقاریر سالانہ جلسوں کے علاوہ آپ نے اور مواقع پر بھی کی ہیں۔ جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:-

(۱) اسلام میں اختلافات کا آغاز یعنی حضرت عثمانؓ کے دوران خلافت میں باغیوں اور مفسدوں کی سازشوں اور شرانگیزیوں کی تفصیلات۔ یہ تقریر آپ نے مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور میں ۲۶ رفروری ۱۹۱۹ء کو فرمائی۔ اس تقریر کی بہت تعریف کی گئی۔

(۲) قول الحق۔ آپ کی پُرشوکت اور صداقت بھری تقریر جو آپ نے ۳ اپریل ۱۹۲۴ء کو غیر احمدیوں کے جلسۂ قادیان کے اعتراضات کے جواب میں مسجد اقصیٰ میں فرمائی۔

(۳) لیکچر شملہ۔ اس میں آپ نے مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں بیان فرمائی ہیں۔ یہ کتابی شکل میں دسمبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔

(۴) صداقت اسلام پر تقریر جو آپ نے امرتسر میں بندے ماترم ہال میں ۲۲ رفروری ۱۹۲۰ء کو فرمائی۔

(۵) پیغام آسمانی۔ یہ تقریر آپ نے ۱۴ رستمبر ۱۹۲۴ء کو بزبان انگریزی پورٹ سمتھ (لندن) میں فرمائی۔

(۶) ایک سیاسی لیکچر جو آپ نے ہندوستان کے حالات حاضرہ اور اتحاد پیدا کرنے کے ذرائع پر لندن میں ۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو دیا۔

(۷) رسول کریمؐ اور آپ کی تعلیم پر ایک عظیم الشان لیکچر جو آپ نے ۲۸ رستمبر ۱۹۲۴ء کو لندن میں بزبان انگریزی دیا۔

ان کے علاوہ آپ نے ہزاروں تقاریر خطبات جمعہ اور خطباتِ نکاح کی صورت میں فرمائیں۔ اخبار الفضل ان تقاریر سے بھرا پڑا ہے۔ اگر آپ کی تمام تقاریر کو یکجا کیا جائے تو شائد پچاس سے بھی زیادہ ضخیم جلدیں بن جائیں۔ یہ تقاریر علم و معرفت کا خزانہ ہیں اور قرآنی انوار کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں ان کے حسن، ان کی تاثیر اور ان کی افادیت کا اندازہ ان کے پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہزاروں ہزار رحمتیں اس شخص پر نازل فرمائے جس نے ہزار تکلیفیں اٹھا کر ہمیں ان معارف سے آگاہ کیا (آمین)

-:-

خدا تعالیٰ کو کسی حالت میں نہ بھلاؤ

ہر وقت اسی سے مدد مانگتے رہو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ھیں :۔

''ہماری جماعت کو یہ بات بہت ھی یاد رکھنی چاھیئے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی حالت میں نہ بھلایا جاوے ۔ ھر وقت اسی سے مدد مانگتے رھنا چاھیئے ۔ اس کے بغیر انسان کچھ چیز نہیں ۔ خوب یاد رکھو وہ ایک دم میں فنا کر سکتا ھے ۔ طرح طرح کے دکھ اور مصیبتیں موجود ھیں ۔ بے خوف اور نڈر ھونے کا مقام نہیں . . . جو شخص جرات کے ساتھ گناہ فسق و فجور اور معصیت میں مبتلا ھوتا ھے وہ خطر ناک حالت میں ھوتا ھے ۔ خدا تعالیٰ کا عذاب اس کی تاک میں ھوتا ھے ۔ اگر بار بار اللہ کریم کا رحم چاھتے ھو تو تقویٰ اختیار کرو اور وہ سب باتیں جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ھیں چھوڑ دو ۔ جب تک خوف الٰہی کی حالت نہ ھو تب تک حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ھو سکتا ۔ کوشش کرو کہ متقی بن جاؤ ۔ جب وہ لوگ ھلاک ھونے لگتے ھیں جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے تب وہ لوگ بچا لئے جاتے ھیں جو متقی ھوتے ھیں ۔ ایسے وقت ان کی نافرمانی انہیں ھلاک کر دیتی ھے اور ان کا تقویٰ انہیں بچا لیتا ھے ۔ انسان اپنی چالاکیوں شرارتوں اور غداریوں کے ساتھ اگر بچنا چاھے تو ھرگز نہیں بچ سکتا ۔ کوئی انسان بھی نہ اپنی جان کی حفاظت کر سکتا ھے نہ مال و اولاد کی حفاظت کر سکتا ھے اور نہ ھی کوئی اور کامیابی حاصل کر سکتا ھے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ھو ۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوشیدہ طور پر ضرور تعلق رکھنا چاھیئے ۔ اور پھر اس تعلق کو محفوظ رکھنا چاھیئے ۔ عقلمند انسان وھی ھے جو اس تعلق کو محفوظ رکھتا ھے وہ بےوقوف ھے جو اپنی چترائی پر نازاں ھے وہ ھلاک کیا جائے گا اور کبھی بامراد اور کامیاب نہیں ھو گا،،

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۳۶۹ ، ۳۷۰)

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا